نام کتاب .... تزکیہ نفس (باب سوم)

تاریخ اشاعت (جولائی 2014ء) 2200

ناشر .... شعبہ خواتین

مقامِ اشاعت .... 67-A علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور

مطبع .... جی ڈی ایس پرنٹرز بوتل بازار شاہ عالم مارکیٹ لاہور

email: markaz@tanzeem.org

website: **www.tanzeem.org**

فہرست

تکبر و تذلل

تواضع

ریاکاری

سرکشی

تکبر و تذلل

تکبر کے حوالے سے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی اپنے آپ کو تکبر سے بَری نہ سمجھے، کوئی اپنے بارے میں یہ گمان نہ رکھے کہ میں نے اپنے نفس کو ایسا پاک کر دیا ہے کہ تکبر نام کی کوئی چیز میرے اندر موجود ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی لیے اپنے آپ کو تکبر سے پاک کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کیا جائے کہ ہاں مجھ میں تکبر کا پورا امکان موجود ہے۔ جب ذہن کھلا ہوا ہو گا تو ان شاء اللہ تکبر کو پہچاننے میں آسانی رہے گی۔ عام طور پر ہم دوسروں کی طرف انگلی اٹھا کر کہتے ہیں کہ وہ بہت متکبر (proudy) ہے، بہت گھمنڈی (arrogant) ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جب ہم دوسروں پر اپنی توجہ مرتکز کرتے ہیں تو ہمیں اپنا تکبر نظر نہیں آتا۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکہ بھی نظر آ جاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ لہٰذا تکبر کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم صرف اپنے اوپر توجہ (focus) رکھیں اور تکبر کی علامات کو اپنے اندر تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

تکبر کیا چیز ہے؟

کِبر دراصل دل میں ہوتا ہے، یوں سمجھیے کہ کبر کا تعلق دل کے امراض سے ہے اور اس بیماری کی علامات (symptoms) انسانی رویے میں ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً تکبر میں انسان دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، یہ بیماری نہایت زبردست اور خوفناک ہے، اس کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ)) (۱)

”جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔“

اتنی خوفناک وعید کسی اور چیز کے بارے میں نہیں آئی۔ جہاں تک غِل یا کینہ آ جانے کی بات ہے اس کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا کہ اللہ دلوں کو پاک کر کے جنت میں داخل کر دے گا لیکن تکبر کے بارے میں فرمایا کہ اگر کسی دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہو گا تو وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

---

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ

زمین وآسمان میں جوسب سے پہلے اللہ کی نافرمانی ہوئی اس کا سبب تکبر تھا، قرآن میں آتا ہے:

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرہ : ۳۴)

''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان، اس نے انکار کر دیا اور تکبر کیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (۳۴) وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (۳۵)﴾ (الحجر)

''تو (شیطان) نکل یہاں سے تو مردود ہے، اللہ کی رحمت سے دور ہے، اور بے شک تم پر لعنت ہے قیامت کے دن تک۔''

یعنی تو تکبر کرتا ہے، اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔اللہ کا بھی فیصلہ ہے کہ اللہ تکبر کرنے والوں کو بالکل چھوٹا بنادے گا۔تو تکبر کی وجہ سے جب اللہ نے شیطان پر لعنت کی تو کیا وجہ ہے کہ جب انسان شیطانوں والا رویّہ اختیار کریں اور تکبر کریں تو ان پر اللہ کی لعنت نہ ہو؟

سورۃ المومن آیت ۶۰ میں فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (۶۰)﴾

''اور تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں جواب دونگا! بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر۔''

سورۃ احقاف میں فرمایا:

﴿ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ

الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴾ (احقاف: ۲۰)

''سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے، یہ اس کی سزا ہے جو تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور بدکرداری کرتے تھے''۔

﴿ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾

(الزمر: ۷۲)

''کہا جائیگا کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہو گے تکبر کرنے والوں کا کتنا برا اٹھکانہ ہے۔''

تکبر کی شناخت اور درجات:

کوئی مہلک بیماری یکدم پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ خطرناک بیماریاں چھوٹی چھوٹی چیزوں سے ظاہر ہونا شروع ہوتی ہیں پھر کہیں جا کر وہ ایک بڑی بیماری بنتی ہیں۔ اسی طرح چونکہ تکبر بہت بڑی اور خوفناک بیماری ہے اسی لیے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ یہ بیماری کس طرح رفتہ رفتہ اتنی بڑی خرابی بن جاتی ہے، اس کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے، اس کا منبع (source) کیا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ یہ چھوٹی بیماری ایک بڑی بیماری میں تبدیل ہو، کیوں نہ ہم اس چھوٹی بیماری ہی کا علاج کر لیں کیونکہ کوئی بھی مرض آغاز میں قابلِ علاج ہوتا ہے لیکن جب یہ حد سے گزر جائے تو ناقابل علاج ہو جاتا ہے، جس طرح سرطان (cancer) پہلے مرحلے (first stage) سے دوسرے مرحلے (second stage) اور پھر تیسرے اور آخری مرحلے (third stage) میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح تکبر کا مرض بھی مرحلہ وار (stage by stage) بڑھتا چلا جاتا ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ تکبر میں بھی ہمیں تین مرحلے (stages) ہی نظر آتے ہیں یعنی عُجب، فخر اور پھر تکبر۔ ایک بات یاد رکھیں پہلے اور دوسرے مرحلے میں یہ مرض قابل علاج ہوتا ہے لیکن جب بات آخری مرحلے تک پہنچ جائے تو پھر یہ قابلِ علاج نہیں رہتا واللہ اعلم۔

تکبر کا پہلا مرحلہ ''عجب'':

تکبر کی پہلی سیڑھی کا نام ''عُجب یا خود پسندی'' ہے۔ یہاں سے تکبر کی ابتدا ہوتی ہے، ''خود

شعوری'' بگڑکر ''خود پسندی'' بن جاتی ہے۔خود شعوری بجائے خدا شعوری کی راہ ہموار کرنے کے کہیں راستہ بھٹک (deviate) جاتی ہے۔اس کے نتیجے میں انسان اپنی ہی ذات کو خدا بنا بیٹھتا ہے، جب خود پسندی آتی ہے تو وہ ''انا'' جسکو اللہ کے آگے سر بسجود ہونا تھا، وہ نفس کے آگے سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ یہ خود پسندی یا عُجب (self conceit) تکبر کی پہلی سطح ہے۔ایک بات یاد رکھیں خود پسندی اُسی میں آتی ہے جس میں کوئی نہ کوئی خوبی ہو۔جب کسی انسان کے اوصاف کی تعریف کی جائے، اس کے کسی کام کو سراہا جائے تو بعض دفعہ یہ تعریف اور عزت انسان کے اندر عُجب پیدا کر دیتی ہے۔ایک حدیث میں ذکر ہے کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔جن میں سے ایک عُجب ہے۔یہ اتنی خطرناک بیماری ہے کہ جو شخص اس میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہے، اُسے اپنی ذات بہت ہی پیاری لگنے لگتی ہے۔یہ ہے پہلا مرحلہ اور یہ قابلِ علاج (curable) ہے۔

عُجب کی پہچان:

عجب کی معرفت اپنے خیالات کا جائزہ لینے سے ہوگی۔اگر ہمارے تمام خیالات کا مرکز ہماری ذات ہے اور ہم اپنے ہی بارے میں ہر وقت سوچتے رہتے ہیں تو یہ عجب کا آغاز ہے۔اپنے نقطۂ نظر کو بہترین سمجھنا(opinionated) بھی عجب ہے۔اگر ہماری گفتگو میں زیادہ تر اس طرح کہ الفاظ آتے ہیں مثلاً میرا ذوق، میرے معیارات، میں کیا پہنوں، میں کیسا لگ رہا ہوں، میرا کیا خیال ہے، کسی کے بارے میں میرا تجزیہ کیا ہے، میں کسی کو دیکھ کر کیا سوچتا ہوں تو یہ عُجب کی علامات ہیں۔اس کے علاوہ دوسروں کے بارے میں بھی یہی خیال کرنا کہ وہ میرے بارے میں سوچ رہے ہونگے، ایسا سمجھنا کہ ہم ہی سب کے حواسوں پر چھائے رہتے ہیں، یہ رویہ بھی اسی بیماری کی نشاندہی کرتا ہے۔ایسے افراد خود کو بہت اہم سمجھنے لگتے ہیں، اپنی ذات، اپنا خیال اور اپنی بات بہت قیمتی لگتی ہے، اپنے اوپر ناز ہونے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ احساس گفتگو میں بھی چھلکنے لگتا ہے۔جس طرح اگر کسی برتن میں گنجائش سے زیادہ پانی بھر دیا جائے تو پھر وہ بہنے (over flow) لگتا ہے، اسی طرح اگر ذہن میں ہر وقت اپنی ہی ذات سمائی رہے تو پھر اس کا اظہار ہونا فطری بات ہے۔جب خود پسندی کا احساس اتنا زیادہ ہو جائے تو کہاں تک

سنبھالا (contain) جا سکتا ہے، کب تک اندر سمٹ کر رہ سکتا ہے، کب تک صرف سوچنے پر ہی اکتفا کرتے رہیں۔ لازماً یہ خیالات اب الفاظ میں ظاہر ہونگے، جب بھی گفتگو کرینگے تو اس میں عجب اور خود پسندی کا احساس چھلکنے لگے گا۔

دوسرا مرحلہ: ''فخر''

جب عُجب گفتگو میں ظاہر ہو جائے تو یہ دوسرے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے یعنی ''فخر''۔ عجب میں تو فقط سوچ ہی رہے تھے، مرض مخفی (dormant) تھا، اب اپنے بارے میں شیخیاں بھگاریں گے، لاف و گزاف (brag) کہیں گے، اپنی تعریفوں کے پل باندھیں گے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمٰن : ۱۸)

''بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اترانے والے خود پسند کو۔''

بہر حال فخر قابلِ علاج مرض ہے اگر اس مرحلے (stage) پر اس کا علاج ہو جائے تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ شفا مل جائیگی۔ اگر علاج نہیں کیا تو یہ مرض تیسرے مرحلے میں (third stage) میں داخل ہو جائے گا جو کہ لاعلاج ہے۔

تیسرا مرحلہ: ''اصل تکبر''

ابھی تک تو صرف اپنی ذات اچھی لگ رہی تھی، اُسکی تعریفیں ہو رہی تھیں، اب تکبر کا مرحلہ (phase) شروع ہوگا۔ جس میں انسان کسی کو اپنے سامنے کچھ نہیں سمجھتا۔ دوسروں کی برائیاں کرنا، بے عزتی کرنا، مذاق اڑانا، اگر کوئی ان کی بات سے اتفاق نہ کرے یا اختلاف کرے تو دشمنی پر اتر آنا، انتقامی کاروائیاں شروع کر دینا، نقصان پہنچانا۔ اس کردار کی مثالیں قرآن میں ملتی ہیں مثال کے طور پر شیطان سب سے زیادہ تکبر کرنے والا تھا۔ اور انسانوں میں سب سے متکبر فرعون تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رب نہ مانا، اس کی بات کا رد کیا تو فرعون ہٹ دھرمی پر اتر آیا، مذاق اڑانے لگا، کہنے لگا کہ مجھے تو یہ شخص پاگل لگتا ہے، مجھ کو تو یہ جادوگر لگتا ہے اور کتنی تحقیر کے ساتھ پوچھا تھا کہ ''رب

العالمین'' کیا ہوتا ہے؟ دراصل یہ تکبر ہے۔اپنی تعریف تو کرتا ہی تھا، کہتا تھا ''میں ہوں تمہارا سب سے اعلیٰ رب''۔ جو نہ مانے اور انکار کرے اس سے انتقام لیتا تھا اور قتل کروا دیتا تھا۔

فخر اور تکبر کی پہچان:

اب ہم فخر اور تکبر کی علامات ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے، ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرینگے کہ یہ مرض کہاں فخر کی حد تک ہے اور کہاں تکبر میں داخل ہوگیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تکبر کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس کے اسباب اور اقسام بھی لکھی ہیں اور اس کا علاج بھی بتایا ہے۔ انہی کی کتاب ''کیمیائے سعادت'' کی روشنی میں فخر اور تکبر کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلے ہم دیکھتے ہیں فخر کیا ہے۔ یعنی اپنی ذات اور اس سے منسلک چیزوں پر مسرت کا اظہار کرنا۔ سب سے پہلے علم کی بات کرتے ہیں، جس کو اپنے علم پر فخر ہوگا وہ اپنے علم کا اظہار کثرت سے کریگا کہ کہاں سے پڑھا، کتنی محنت کی، کتنی ذہین تھے اور عام لوگوں سے کتنے بلند (above average) تھے۔ اس قسم کی باتیں کرکے فخر کا اظہار کرتے ہیں، اپنی ڈگریوں کو آویزاں (display) کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی ڈاکٹر اپنی ڈگری آویزاں کرتا ہے تو یہ پیشے کی ضرورت ہے۔ ہم تو اُس شخص کی بات کررہے ہیں جو اپنی ذات سے بہت متاثر ہے اور اس کے پاس کوئی ڈگری ہے تو وہ اس ڈگری کو سوٹ کیس میں یا فائلوں میں رکھ دینا کافی نہیں سمجھتا بلکہ چاہتا ہے کہ ساری دنیا دیکھ لے۔

فخر کا مطلب ہے پھٹ پڑنا۔ فَجُر کا لفظ بھی انھی معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی اندھیرے کو چیر کر آنے والی صبح۔ پھٹ پڑنے والے لوگوں میں تحمل (contain) نہیں ہوتا اپنی خوبی دوسروں کو بتانا فرض سمجھتے ہیں کہ دیکھو ہم کتنے اعلیٰ ہیں، اس طرح وہ نمائش (display) کرتے ہیں۔ اگر بُرائی یہاں تک ہے تو قابلِ علاج ہے۔ اگر ان کو کوئی یہ احساس دلادے کہ اپنی تعریف کرنا اچھی بات نہیں، یہ تو اپنا مذاق اڑوانے کے مترادف ہے، جگ ہنسائی کا باعث ہے تو ہوسکتا ہے وہ اپنی اصلاح کرلے۔ لیکن اگر وقت پر اس کا احساس نہ ہوا تو ہوسکتا ہے کہ وقت کے ساتھ یہ چیز بڑھ کر تکبر میں بدل (convert) جائے۔ فخر کی حد تک تو اپنی یونیورسٹی کی تعریف تھی، اپنی ڈگری کی تعریف تھی، اپنے اساتذہ کی تعریف تھی،

اب تکبر یہ ہوگا کہ باقی سب کے استاد گھٹیا، سب کی یونیورسٹیز گھٹیا، باقی تمام سکول کالج بے کار، کسی کی کوئی ڈگری کام کی نہیں، بس انہی کے پاس جو ہے وہی بہترین ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس مرض کا پہلا سبب ''علم'' ہے یعنی جب کوئی صاحبِ علم اپنے آپ کو علم سے آراستہ پاتا ہے تو اُسے اپنے مقابلے میں دوسروں کی حیثیت وحشیوں اور جانوروں کی سی لگتی ہے۔ کبر اور نخوت اس پر غالب سے غالب تر ہوتی جاتی ہے۔ اس کی نشانی کیا ہے؟ کیسے پتہ چلے گا کہ میرے اندر تکبر ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے اس بات کی توقع کرنے لگتا ہے کہ وہ اس کی غیر معمولی تعظیم و تکریم کرینگے۔ اگر وہ نہ کریں تو اس کو بڑا تعجب ہوتا ہے، اُن کی عقل پر حیرت ہوتی ہے، منہ تکنے لگتا ہے کہ مجھ جیسا عالم فاضل ان کے درمیان موجود ہے اور یہ مجھے کوئی غیر معمولی اہمیت (preferential treatment) نہیں دے رہے۔ اس بات پر اس کو حیرت ہوتی ہے، بہت ہی پریشان ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ ان لوگوں کو میری عظمت اور میرا مقام شاید معلوم نہیں ہے اگر یہ مجھ سے واقف ہوتے تو یقیناً مجھ سے امتیازی سلوک برتتے جس کا میں مستحق ہوں۔ اس طرح خود کو تسلی دے لیتا ہے کہ ان کو معلوم ہی نہیں کہ میں کون ہوں، میری قدر نہیں جانتے۔ مثال کے طور پر ایسا شخص کسی ڈاکٹر کے ہاں گیا اور وہاں کے سیکریٹری نے اُسے پچاسواں نمبر دے دیا اور کہا کہ آپ انتظار کریں۔ تو ایسا شخص یہ نمبر لے کر بہت حیران ہوگا، اس کی توقع تو یہ تھی کہ جیسے ہی میں کلینک میں داخل ہوں گا تو سب کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ تو فلاں ہیں نا! آیئے آیئے بیٹھیے، میں آپ کو سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب سے ملواؤں گا۔ وہ اس قسم کے سلوک (treatment) کی توقع کرتا ہے کہ ہاتھوں ہاتھ لیا جائیگا۔ ہر جگہ لوگ اس کو پہچان جائیں گے، احترام کرینگے۔ لوگ میرے آگے بچھ جائیں گے (People will bend backwards to accomodate me)، مجھے سرآنکھوں پر بٹھائیں گے اور جب ایسا نہیں ہوتا تو یہ صاحب ششدرہ جاتے ہیں۔

آگے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کوئی ان کو اپنے ہاں مدعو کرے تو اس کو قبول کر لینا گویا کہ دعوت دینے والے کے سر پر اُنکا احسان ہوتا ہے، دعوت دینے والے کی عزت افزائی ہوتی ہے۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو،کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

وہ لوگوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ جان لیں کہ ان کا وجود دوسروں کے لئے باعثِ برکت ہے۔

لوگ بھی تعریفیں کر کر کے دوسروں کے دماغ آسمان پر پہنچا دیتے ہیں۔ پتہ نہیں کس کے دل میں عجب چھپا ہوا ہے، وہ عجب عجب ہی رہ جاتا تکبر نہ بنتا اگر لوگ اتنا زیادہ مسکہ نہ لگاتے۔ اسی لئے اسلام میں بے جا تعریف کرنا سخت ناپسندیدہ ہے، تعریف ہضم کرنا آسان نہیں، اس کا شخصیت پر منفی (negative) اثر پڑتا ہے۔ یہ اتنا بڑا فتنہ ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ ایک عربی شاعر جس کا نام ''متنبیٰ'' تھا اس کا ایک قول آتا ہے کہ ''اگر تم کریم انسان کی عزت کرو گے وہ تمہارا احسان مند ہوگا اور اگر کم ظرف انسان (superficial) کی عزت کرو گے تو وہ باغی ہو جائیگا۔'' یعنی اس کے اندر سرکشی پیدا ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ تکبر بھی پیدا ہو جائے۔ ہمارے ہاں ایک محاورہ استعمال ہوتا ہے ''ہلکٹ کو حوالداری مل گئی۔'' ہلکے تو تھے ہی حوالداری جو ملی تو وہ اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھ بیٹھے۔ لہٰذا ایسا شخص بلانے والے کا احسان نہیں مانتا کہ اس نے مجھے اس قابل سمجھا کہ اپنے گھر بلایا، میری عزت افزائی ہوئی، بلکہ یہ سوچتا ہے کہ میں نے اس کے گھر جا کر اس پر احسان کیا ہے، بلکہ اس کا عالم شہود میں ہونا ہی دنیا پر احسان ہے ورنہ اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا تباہ ہو چکی ہوتی۔

متکبر انسان اکثر اس بات کا بھی اظہار کرتا رہتا ہے کہ آخرت کے معاملات میں وہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالتحقیق کامیاب ہے، جبکہ دوسرے اس فضل سے بہت دُور ہیں۔ اسکی نجات تو یقینی ہے البتہ دوسروں کیلئے خطرہ اور تشویش زیادہ ہے۔ متکبر شخص کا یہ اندازِ گفتگو ہوتا ہے کہ میں تو جنتی ہوں مگر آپ کا کیا ہوگا مجھے تو آپکی فکر کھائے جاتی ہے۔ اور یہ جتاتا بھی رہتا ہے کہ ہر کوئی اس کی دعاؤں کا، ہدایت اور برکت کا سخت محتاج ہے ورنہ دوزخ سے نجات حاصل کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہوسکتا۔

بعض دفعہ اللہ سے تعلق پر بھی لوگوں کو تکبر ہو جاتا ہے ان کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی نے ہمیں ستایا، دکھ دیا تو اللہ بدلہ لے گا۔ اور اگر کسی پر کوئی مشکل یا آزمائش آپڑتی ہے تو فوراً فتویٰ دے دیتے

ہیں کہ اللہ نے ہمارے ساتھ زیادتی کا بدلہ لیا ہے۔ان کے تکبر کا حال یہ ہوتا ہے کہ ہم ہی اللہ کے لاڈلے ہیں، اگر کوئی ٹیڑھی نظر سے ہمیں دیکھ لے تو اللہ معاف نہیں کریگا۔اپنے آپ کو بزرگ اور ولی اللہ سمجھتے ہیں اور ہر ایک کو اپنا محتاج جانتے ہیں۔ ہماری صحبت میں رہ کر ہی ان کی نجات ہے۔

خاندان پر فخر و تکبر:

خاندان پر فخر اور تکبر میں بھی پہلے عُجب پیدا ہوتا ہے۔عُجب کا تعلق سوچ سے ہے اور فخر کا معاملہ عمل سے ہے۔ابتداءً اپنے بارے میں بہت سوچا اور اپنے آباؤ اجداد کے کارنامے سنے، اپنی نسل بہت ہی اعلیٰ وارفع لگی اور پھر اس کا اظہار بھی شروع کر دیا، اپنے خاندان کے گُن گانے لگے، جب بھی گفتگو کا موقع ملا تو خاندانی تفاخر کی بات چھیڑ دی، اپنے باپ دادا کے کارنامے بیان کرنا شروع کئے، کیسے نوابوں کی اولاد تھے، کیسے مغلوں کی نسل سے تھے، کیا حسب نسب تھا، کیسے کھاتے پیتے تھے۔ان کے آداب، رسم و رواج پر گفتگو اور شان و شوکت کا تذکرہ کیا جاتا رہا۔تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ مرض صرف امراء تک محدود نہیں بلکہ غرباء بھی اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ایک خاتون کہہ رہی تھیں کہ میرے شوہر عام لوگوں کے خانساماں نہیں تھے بلکہ انگریزوں کے خانساماں تھے، اب بتایئے خانساماں پر بھی فخر جتایا جاتا ہے۔

ہر درجے میں فخر ہوسکتا ہے۔انسان اپنی کسی بھی خصوصیت پر فخر کرسکتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی غیر اہم کیوں نہ ہو۔اپنے آباؤ اجداد کی بڑائی کبھی کبھار تو ہم سب ہی کرتے ہیں، مگر اس چیز کا اظہار بے محل، بے موقع، وقت بے وقت اچھا نہیں ہے۔ یہ سب فخر کا نتیجہ ہے، پہلے صرف ایک سوچ تھی، رفتہ رفتہ وہ زبان پر آگئی اور پھر عمل میں ظاہر ہونے لگی یعنی دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔ایسے لوگ خاندان سے باہر شادیاں نہیں کرتے، کوئی شادی خاندان سے باہر ہوجائے تو ناک کٹ جاتی ہے۔یعنی کسی کو اپنے ہم پلہ نہیں سمجھتے تو اپنے سے نچلوں میں شادی کیوں کریں گے۔

خاندان کا تکبر اس حد تک جا پہنچتا ہے کہ نعوذ باللہ، اللہ کے ساتھ بھی تکبر کرنے لگتے ہیں۔اللہ کے حکم کے آگے بھی کہتے ہیں کہ ہمارے لئے تو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، ہم اپنے

باپ دادا کے رسم ورواج نہیں چھوڑ سکتے۔اگر اللہ کے رسول یہ کہتے ہیں تو کیا ہوا، ہم تو اپنے باپ دادا ہی کی پیروی کرینگے۔تو اللہ کی بات کو رد کردیا جاتا ہے خاندان کی وجہ سے۔اس تکبر کا مظاہرہ ہم اپنے معاشرے میں، اپنے اردگرد دیکھتے ہیں اوراس کو وفاداری کہتے ہیں۔شیطان اس طرح وفاداری اور اعتماد (confidence) کے نام پر چکر دیتا ہے۔اوران باتوں کے پیچھے کہیں تکبر چھپا ہوتا ہے۔ انسان شناخت نہیں کر پاتا کہ یہ تکبر ہے۔خاندان پر تکبر کرنے والے اللہ کے سامنے بھی متکبر ہو جاتے ہیں۔اور علم کا تکبر تو جانا پہچانا ہے کہ اگر اپنے علم کے بل بُوتے پر کوئی فیصلہ کرلیا اور پھر اللہ کی کوئی بات سامنے آجائے یا اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث آگے آجائے تو کہہ دیتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے، میرا فیصلہ یہ ہے، میرا علم اور تجربہ یہ کہتا ہے۔قارون نے اپنے علم پر کتنا فخر اور تکبر کیا تھا۔جب لوگوں نے اس سے کہا تھا کہ رب کا شکرادا کرو تو اس نے کہا: مجھے تو اپنے علم کی وجہ سے یہ مال ودولت ملی ہے، نعمتیں ملی ہیں، مقام ملا ہے تو میں کیوں کسی کا شکرادا کروں۔

نبی اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارک میں یہ بات آتی ہے کہ ''جس کو اس کے اعمال پیچھے ڈال دینگے، اس کا حسب نسب اس کو آگے نہ بڑھا سکے گا۔'' قیامت کے دن اللہ کی نظر میں کسی خاندان کا کوئی بھی مقام یا مرتبہ نہ ہوگا تو چاہیے کہ اس مرض کا علاج کریں۔کوشش کریں کہ فخر کے مرحلے پر ہی اس مرض کا علاج کرلیں، اس سے نجات حاصل کریں تا کہ ہلاکت سے بچ جائیں۔لیکن اگر مرض اس حد تک پہنچ گیا کہ کسی دوسرے خاندان کے فرد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا یا اپنے خاندان کے کسی فرد کو دوسرے خاندان میں بیاہنا اپنی شان کے خلاف تصور کرتے ہیں تو یہ تکبر ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

''تم میں سے سب سے عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔''

کوئی نبی کے خاندان سے بھی ہو، نبی کا بیٹا بھی ہو، لیکن اگر اس کا عمل اچھا نہیں ہے تو نبی کے خاندان کا ہونا اس کو نہ بچا سکے گا۔قریش کے بڑے بڑے سردار تھے مثلاً ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کیا بخش

دئے جائیں گے کہ وہ بہت اعلیٰ خاندان کے تھے؟

خاندانی تکبر سے بچنے کا طریقہ:

اگر خاندان پر تکبر ہے تو پہلی کوشش یہ کریں کہ اپنے خاندان کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیں کسی کا خاندان عظیم نہیں۔ سب ایک خاندان کے ہیں، ہم سب کے جدّ امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے اور ہم سب ایک حقیر پانی کی بوند سے بنے ہیں، تو کیوں فخر کریں اپنے آپ پر، اپنے خاندان پر۔ کیا ہم میں کوئی ایسی خوبی ہے؟ کوئی خوبی نہیں ہے۔ تو انسان اپنے آپ کو جھکائے، اپنی حیثیت کے بارے میں سوچے اور اپنے خاندان کا تذکرہ کرنا چھوڑ دے۔ کبھی کبھار بر سبیل تذکرہ کوئی بات کہہ دی تو کہہ دی۔ سب ہی ذکر کر رہے ہیں تو آپ نے بھی کوئی ایک آدھ جملہ کہہ دیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن دوسروں کو مرعوب کرنے کیلئے، دبانے کیلئے، اپنا سکہ جمانے کے لئے اپنے آپ کو اعلیٰ ترین خاندان کا فرد بنا کر پیش کرنا نامناسب ہے، ناپسندیدہ ہے۔ خاندان پر تکبر، مردوں اور عورتوں، دونوں اصناف میں ہوتا ہے، عورتیں عام طور پر سسرال سے موازنہ کرتی ہیں کہ میرا میکہ ایسا ہے اور میرا میکہ ویسا ہے۔ یہ بھی تفاخر کی ایک صورت ہے کہ وہ سمجھتی ہیں کہ میرا میکہ سب سے اعلیٰ ہے اور تمام سسرال والے گھٹیا، کمتر اور بے کار ہیں۔

مسلمان امت پر شیطان کا ایک حملہ:

شیخ حمزہ یوسف اپنے لیکچر ''Purification of the Heart'' میں فرماتے ہیں:
امتِ مسلمہ پر شیطان نے دو طرح سے حملہ کیا۔ اہلِ علم حضرات خصوصاً مشرقی علماء پر یہ حملہ اس طرح ہوا کہ انہوں نے اپنے نام کے ساتھ لمبے چوڑے القابات لگانے شروع کر دیئے۔ جیسے شیخ، الحاج، مفتی اعظم وغیرہ۔ بعض دفعہ تو ان القابات کا سلسلہ اتنا طویل ہوتا ہے کہ اصل نام ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ اور مغرب کے مسلمانوں پر اس طرح سے حملہ کیا کہ عربی کے سیدھے سادے الفاظ کو صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے، انگریزی کے مشکل سے مشکل الفاظ تو پڑھ لیں گے لیکن عبداللہ یا عبدالرحمٰن نہیں کہہ سکیں گے۔ یہ بھی ایک طرح سے تکبر کا اظہار ہے کہ کچھ حروف جو آپ صحیح طور پر بول سکتے ہیں لیکن جان بوجھ کے نہیں بولتے

تاکہ آپ عام لوگوں سے نمایاں ہوجائیں، لوگوں کو یہ محسوس ہو کہ آپ یورپ کے ہیں یا یہ ظاہر ہو کہ آپ زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ یہ دونوں صورتیں علم پر تکبر میں آتی ہیں جو کہ انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ اگر کسی کی واقعی مجبوری ہے، مخارج درست نہیں ہیں، لاکھ کوشش کے باوجود ''ح'' یا ''ق'' ادا نہیں کر پاتے تو یہ تکبر نہیں ہے لیکن ٹھیک بولنے کی طاقت ہونے کے باوجود صحیح تلفظ کے ساتھ نہ پڑھیں کہ کہیں لوگ ہمیں سرکاری اسکول یا مدرسے سے پڑھا ہوا نہ سمجھ لیں۔ قرآن کے بجائے کُرآن بولیں، یہ بھی تکبر ہے۔ ہوسکتا ہے کچھ لوگ یہ باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں کیونکہ ابھی ہماری تہذیب پوری طرح مغرب کے زیرِ اثر نہیں آئی، لیکن شیخ حمزہ یوسف مغربی تہذیب کی بیماریوں سے بخوبی واقف ہیں کیونکہ انہوں نے مغربی تہذیب کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ آپ ایمان لائے، موریطانیہ سے دینی تعلیم حاصل کی۔ لہٰذا انہیں مغربی تہذیب کو ایک صاحبِ ایمان کی نظر سے دیکھنے کا موقع ملا۔

ہم نے حسب نسب پر بات کرتے ہوئے سمجھا تھا کہ پہلے عجب پیدا ہوتا ہے اور پھر فخر کیا جاتا ہے اور بالآخر تکبر آجاتا ہے۔ علم پر تکبر ہو تو پھر اپنے علم کے آگے اللہ کا علم بھی کچھ نہیں لگتا معاذاللہ۔ لوگوں کے علم کو تو پہلے ہی کچھ نہیں سمجھتے تھے اب نعوذ باللہ اللہ کے علم میں بھی نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً ہاتھ کاٹنے کی سزا وحشیانہ ہے، اسلام کے کچھ احکام آج کے دور میں ناقابلِ عمل ہیں اور بعض غیر ضروری ہیں۔ شیطان نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر عقلی اعتراض کیا تھا جب اُسے حکم دیا گیا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو اس نے کہا، ''میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ میں آگ سے بنا ہوں اور وہ مٹی سے، میں کسی کمتر شے کو کیوں سجدہ کروں۔''

ہوسکتا ہے کوئی شخص لوگوں کے ساتھ تکبر کا رویّہ نہ رکھے مگر اللہ کے ساتھ اس کا رویّہ متکبّرانہ ہو۔ مثلاً جو شخص جان بوجھ کر نمازیں نہ پڑھے، اللہ کے سامنے جھکنے پر تیار نہ ہو، اس سے بڑھ کر متکبر اور کون ہوگا! جو اللہ کی بات نہیں مانتا، اللہ کے آگے سجدہ نہیں کرتا تو اس سے بڑھ کر متکبر اور کون ہوگا! جو شخص اللہ کے دیئے ہوئے احکامات کی پابندی کو لازمی اور ضروری نہیں سمجھتا اور اللہ کی دی ہوئی شریعت پر عمل

کرنا اپنی انا کے خلاف سمجھتا ہے۔ یا اسے اپنے علم پر، اپنی حیثیت پر، اپنے حسب نسب پر اتنا فخر ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ نماز پڑھنے سے اسکی شان میں کمی آئے گی، یا کوئی عورت سوچے کہ میں نے حجاب اوڑھ لیا تو میں گھٹیا یا کمتر ہو جاؤنگی یا کسی تقریب (function) میں سنگھار (make up) کر کے بیٹھی ہے اور نماز کا وقت ہو گیا تو اسلیے نماز نہیں پڑھتی کہ وضو کرنا پڑے گا اور میک اپ (make up) ڈھل کر اتر جائیگا۔

حسن پر فخر:

تیسری چیز جس کے بارے میں ہم بات کرینگے وہ ''حسن پر فخر'' ہے۔ یہ مرض عام طور پر خواتین میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس مرض کی ابتدا بھی عُجب سے ہوتی ہے۔ کسی نے رنگ کی تعریف کی، آنکھوں کی یا کسی اور جسمانی خوبصورتی کی تعریف کی تو یہ بات دل میں بس گئی اور عُجب پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اپنے بارے میں بے حد سوچنے لگے، سب سے اہم چیز یہ بن گئی کہ میں کیسی دِکھ رہی ہوں، ایسا کیا پہنوں کہ اچھی لگوں، بال کیسے بنانے چاہئیں، یوں بیٹھوں تو کیسی لگتی ہوں۔ عُجب میں انسان کو اپنے بارے میں ہی سوچتے رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے، اپنے حسن کے بارے میں ہی غور کرتی رہتی ہے اور پھر آئینہ میں خود کو دیکھ دیکھ فریفتہ ہوئے چلی جاتی ہے۔ انگریزی کی ایک کہاوت ہے، "Vanity, thy name is woman" مراد یہ ہے کہ عورت تو ہے ہی فخر و تفاخر کا نام۔ یہ کسی کا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ سینکڑوں سال سے یہ چیز لوگوں کے مشاہدے میں ہے کہ مردوں کی نسبت عورتوں میں فخر (vanity) زیادہ پایا جاتا ہے۔ تبھی تو ہار سنگھار کا سامان (vanity case) ساتھ لے کر رکھتی ہیں۔

عُجب کا ایک اظہار:

عُجب کا ایک اظہار آئینہ سے محبت ہے۔ آتے جاتے، رخ بدل بدل کر آئینہ دیکھنا، نئے کپڑے سِل کر آئیں تو آئینے کے سامنے پورا سیشن (session) کرنا، وضو کرنے کھڑے ہوں تو وضو میں دھیان کم اور شیشے پر زیادہ ہونا عُجب کی علامتیں ہیں۔ ایسے شخص کا وضو مشین کی طرح غیر شعوری (automatically) طور پر ہو رہا ہوتا ہے، ساری توجہ آئینے میں نظر آنے والے سراپے پر ہوتی ہے۔

کہیں آنا جانا ہوتو بیشتر وقت اپنا جائزہ لینے میں گزر جاتا ہے۔

یہ چیز مناسب نہیں اور یہی وجہ تھی کہ پرانے وقتوں میں مائیں بیٹیوں کو آئینہ کے سامنے زیادہ دیر کھڑے رہنے سے سختی سے منع کرتی تھیں، خواہ مخواہ آئینہ کے سامنے کھڑے رہنے کو بُرا سمجھا جاتا تھا، کوئی بزرگ دیکھ لے تو ڈانٹ پڑتی تھی کہ کیوں آئینہ کے سامنے کھڑی ہو۔ خاندان کی بزرگ خواتین ہمیں بتاتی ہیں کہ ماؤں نے آئینے اتنے اونچے طاقوں میں رکھے ہوتے تھے کہ ہم وہاں تک پہنچ ہی نہ پاتے اور اُچھل اُچھل کر دیکھتے تھے کہ مانگ سیدھی ہے یا نہیں۔ اگر لڑکیاں زیادہ وقت آئینے کے سامنے رہیں تو مائیں ناراض ہوا کرتی تھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس بات کی حوصلہ افزائی (encourage) نہیں کرنا چاہئے۔ آج بھی بیٹوں اور بیٹیوں کو منع کرنا چاہئے کہ آئینے کے سامنے دیر تک کھڑے ہو کر زیب وزینت نہ کرتے رہیں۔

جن کے اندر اپنے حسن کے بارے میں عُجب ہوتا ہے وہ تصویریں کھنچوانے کے بھی بہت شوقین ہوتے ہیں، اپنی تصویریں ان کو بہت اچھی لگتی ہیں۔ بڑے اہتمام سے، بن سنور کر خاص انداز (pose) بنابنا کر مختلف زاویوں سے اپنی تصویریں کھنچواتے ہیں۔ شادی کی تقریبات میں خواتین کیمرہ والے کو دیکھ کر مسکرانے لگتی ہیں تا کہ تصویر میں اچھی لگیں۔

بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ لوگ آئینے کے سامنے تصوراتی گفتگو بھی کرتے ہیں تا کہ ان کو پتہ ہو کہ کونسا انداز ان پر زیادہ جچتا ہے تو اس کو اپنا لیا جائے، ایسے لوگوں کو اپنی ذات پر نگاہ (monitor) رکھنے کی اتنی عادت ہو جاتی ہے کہ جب مجلس میں محوِ گفتگو ہوتے ہیں تب بھی لاشعور میں اپنے آپ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم ابھی بات کرتے ہوئے کیسے لگ رہے ہیں۔

حسن میں اللہ کے ساتھ تکبر کیسے ہوتا ہے۔ اگر اللہ کے کسی حکم سے اُن کا حسن چھپتا ہے یا حسن میں کمی واقع ہوتی ہے تو وہ اُس حکم پر عمل نہیں کریں گے مثلاً شرعی پردہ نہیں کریں گی اور اگر کوئی مرد بڑا حسین ہے، اللہ نے وجاہت اور خوبصورتی سے نوازا ہے تو وہ داڑھی کی سنت پر عمل نہیں کرنا چاہے گا، داڑھی رکھی تو خوبصورتی نہیں رہے گی، شکل بگڑ جائے گی، ملّا نظر آئیں گے وغیرہ وغیرہ۔

صورت مورت (looks) کے بارے میں بہت محتاط (conscious) رہنا انسان کو غیر محفوظ (insecure) کر دیتا ہے، اعتماد کی کمی (unconfident) ہو جاتی ہے۔ ہر وقت اس فکر اور سوچ میں رہنا کہ میں دیکھنے والوں کو کیسی لگ رہی ہوں یا لگ رہا ہوں۔ ایک بے چینی (tension) پیدا کر دیتا ہے۔ پھر یہ عُجب جو حسن پر ہوتا ہے یہ عدم تحفظ (insecurity) کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے۔ ہر وقت پیارا لگنا، اچھا لگنا، یہ فکر کہ بال تو خراب نہیں ہو گئے، کہیں لپ اسٹک (lipstick) تو نہیں پھیل گئی۔ دستی بیگ (hand bag) میں بھی چھوٹا آئینہ رکھا رہتا ہے، آنکھ بچا کر اپنے آپ کو وقتاً فوقتاً موقع ملتے ہی دیکھ لینا کہ سب ٹھیک ہے۔ یہ لوگ مجلس، محفل میں اردگرد سے بے نیاز اپنے آپ میں مصروف رہتے ہیں، کبھی دوپٹہ ٹھیک کرتی ہیں تو کبھی بالوں کی لٹ کو سنوار رہی ہیں، کبھی گلو بند کو ہلا جلا رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ دورانِ گفتگو انگوٹھیوں کا جائزہ لیا تا کہ قیمتی موتی لوگوں کی نظر سے اوجھل نہ ہو جائیں۔

اپنی ذات میں اس قدر مصروف رہنا بڑی ناپسندیدہ چیز ہے یہ کوئی خوبی نہیں۔ اس عُجب پر قابو پانے کی ضرورت ہے اس کو ختم کرنے کی ضرورت ہے، بچیوں کو اس چیز سے باہر نکالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ایک خاص عمر میں یہ چیز پیدا ہوتی ہے۔ زیادہ سختی کی بھی ضرورت نہیں، ان کی خواہشات کا خیال کیجئے۔ لیکن جب وہ اس چیز کی طرف بہت زیادہ مائل نظر آئیں اُن کو دانش مندی اور حکمت کے ساتھ حوصلہ شکنی (discourage) کریں۔

ایک زمانہ تھا کہ سرخی پاؤڈر (make up) صرف شادی شدہ عورتیں کیا کرتی تھیں بلکہ یہ بناؤ سنگھار شادی شدہ عورت کی پہچان تھی، کنواری لڑکیاں ان چیزوں کا استعمال نہیں کرتی تھیں بلکہ سادہ رہتی تھیں۔ لڑکیاں گوٹے کنارے والے ریشمی لباس بھی نہیں پہنتی تھیں اور نہ انھیں زیور پہننے دیا جاتا تھا۔ یہ بھی تربیت کا حصہ تھا کہ لڑکیوں کو اپنی ذات پر اتنی توجہ نہیں دینی چاہئے۔ انسان اپنی ہی ذات کا اور حسن کا دیوانہ بن کر نہ رہ جائے۔ اسی وجہ سے جب شادی کے وقت لڑکی دلہن بنتی تھی تو لوگ یہی کہتے تھے کہ دلہن بن کر روپ آیا ہے۔ کیونکہ وہ عام طور پر سادہ رہتی تھی اسی لیے دلہن بن کر نہایت خوبصورت لگتی تھی اور اس اچانک تبدیلی سے لڑکی میں حیا بھی آ جاتی تھی۔

ان چیزوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے آجکل تو کالج، یونیورسٹی کی مختلف تقریبات (functions) میں شادی شدہ عورتوں اور کنواری لڑکیوں میں فرق کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں میں بہت زیادہ بننے سنورنے پر ماؤں کی طرف سے حوصلہ افزائی کا رجحان اچھا نہیں، سادگی اختیار کرنی چاہیئے۔ یہ سب ایک خاص عمر میں اچھا لگتا ہے۔ اگر اس بگاڑ کا سدِ باب نہ کیا جائے تو یہ تکبر میں بدل جائے گا۔ اس معاملے میں تکبر کا اظہار کیسے ہوگا؟ دوسروں کی صورت پر نکتہ چینی کرنا، اُن پر اعتراض کرنا، اُن کا مذاق اُڑانا؛ کسی کو کالا کہہ دیا، کسی کو ٹھگنا کہہ دیا، کسی کی ناک پر جملہ کس دیا، کسی کے ہونٹوں پر طنز کر دیا غرضیکہ اپنے سوا ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب نظر آتا ہے۔

تکبر کی ضد: تذلُّل

انکساری یا تذلُّل (Poor self esteem) تکبّر کی ضد ہے۔ ہم نے دیکھا کہ تکبر میں انسان خود کو بہت اعلیٰ وارفع سمجھتا ہے جبکہ تذلُّل میں خود کو بہت گھٹیا اور ذلیل سمجھنے لگتا ہے، سارے عیب اپنے اندر نظر آنے لگتے ہیں، اپنے آپ کو بُرا بھلا کہتا رہتا ہے، سب کے سامنے اپنی برائیاں بیان کرتا ہے۔ وہ برائیاں اور وہ عیب جو چھپے ہوئے تھے، لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھے، اُنہیں بھی کھول کھول کر بیان کرتا پھرتا ہے۔ تذلُّل میں مبتلا لوگ اس بات کے لیے ذہنی طور پر تیار رہتے ہیں کہ لوگ ان کو بُرا بھلا کہیں گے، گھٹیا سمجھیں گے بلکہ خود متوقع (expect) ہوتے ہیں کہ کب ہماری بے عزتی ہو۔ یاد رکھیں اپنی بے عزتی کرنا بھی ایک مرض ہے، بیماری ہے۔

اسلام میں عاجزی تو بہت پسندیدہ ہے لیکن اپنی بے عزتی کرنا بالکل پسندیدہ نہیں۔ کسی نے کہا ہے "Humble yourself! but do not humiliate yourself"، ''عاجزی اختیار کرو لیکن اپنی بے عزتی مت کرو۔'' اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ بندہ اپنا عیب یا اپنا گناہ کسی کے سامنے ظاہر کرے جبکہ اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا ہو۔ لیکن کچھ لوگ دوسروں سے اپنا موازنہ کرتے رہتے ہیں اور پھر خود کو گھٹیا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، سوچتے ہیں سب مجھ سے اچھے ہیں، میں تو کسی قابل نہیں، میں تو اتنا گنہگار ہوں اور جب اُن کو یقین ہوجاتا ہے کہ میں اب کبھی اچھا نہیں ہوسکتا، مجھ میں اتنی

خامیاں اور خرابیاں ہیں تو اپنے آپ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ گفتگو میں بار بار ایسے الفاظ دہراتے ہیں کہ میں یہ نہیں کرسکتا، مجھ میں اتنی قابلیت نہیں ہے، یہ کام میرے بس سے باہر ہے۔ دراصل ایسے شخص کی ذہنیت شکست خوردہ ہوتی ہے، پہلے ہی اپنی بے بسی کا اعلان کر دیتے ہیں، میں کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کرسکتا، گھر کا کام پورا نہیں ہو پاتا، نمازیں قضا ہو جاتی ہیں، وقت پر کوئی کام مکمل نہیں کر پاتا۔ اتنا گنہگار ہوں اللہ کبھی نہیں بخشے گا، اللہ میری دعائیں بھی نہیں سنے گا۔ میری شکل اتنی بُری ہے، اتنی معمولی ہے۔ غرضیکہ ایک ایک برائی اور ایک ایک عیب کا اظہار کرتے ہیں۔ لوگوں سے ایک طرح سے رحم کی بھیک مانگتے رہتے ہیں کہ میں قابلِ رحم ہوں، میرے اوپر ترس کھاؤ (They cut a sorry figure) اُن کو لوگوں کا ترس اور رحم حاصل کرنا اچھا لگتا ہے۔ اپنے غم اور دکھڑوں کی ایسی ایسی داستانیں سناتے ہیں کہ کسی طرح لوگوں کی ہمدردیاں حاصل ہو جائیں۔ اور اس طرح دوسروں کی توجہ (attention) حاصل کرتے ہیں۔ اپنے ڈھکے چھپے جھگڑے اور مسائل سب لوگوں سے بیان کرتے پھرتے ہیں۔

اگر کوئی ایسا برتاؤ (behave) کرتا ہے اور پھر اس کو اپنی عاجزی سمجھتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ یہ عاجزی نہیں ہے، یہ ''تذلُّل'' ہے، احساس کمتری کا اظہار ہے۔ تواضع کو اتنا نہیں بڑھانا چاہئے کہ وہ ''تذلُّل'' بن جائے۔ اس لئے کہ جس کے اندر اس حد تک ''تذلُّل'' ہوگا اُسے اپنی نعمتوں کا دھیان نہیں رہے گا کہ اللہ نے مجھے کتنی نعمتیں عطا کی ہیں۔ اگر نعمتوں کا احساس ہوتا تو اس کے اندر اعتماد آتا اپنی ذات کو پسند کرتا۔ لہٰذا تذلُّل کرنے والا بھی کفرانِ نعمت کا مجرم ہوتا ہے۔ بعض لوگ جان بوجھ کر تواضع کے نام پر ایسی باتیں کرتے ہیں، خود اس چیز کو پروان (cultivate) چڑھاتے ہیں۔

فرقہ ملامتیہ کا طرزِ عمل:

اسلام میں ایک ایسا دور گزرا ہے جب کچھ نیک لوگوں کو اس بات کی فکر ہوئی کہ لوگ ہماری نیکیوں کی تعریف کرنے لگے ہیں۔ انھوں نے سوچا کہ ہم تو صرف اللہ کی رضا کے لئے نیک کام کر رہے ہیں لیکن دنیا والے ہماری تعریف کرکے ہماری نیکیاں خراب کر رہے ہیں تو ایسا نہ ہو کہ ہماری ساری

نیکیاں اور یہ کوششیں ریاکاری میں شامل ہو جائیں اور اللہ کے ہاں مقبولیت سے محروم ہو جائیں تو انہوں نے ایسے کام شروع کر دیئے کہ جن سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں۔ مثلاً شربت ایسے پینے لگے جیسے وہ شراب ہو، ایسی حرکتیں کرنے لگے جیسے نشے میں ہیں۔ لوگوں کو ایسی غلط فہمی میں مبتلا کیا کہ اُن کا کردار خراب ہے یا وہ بے حیائی کے کاموں میں ملوث ہیں۔ لوگوں کے سامنے ایسے ظاہر (pretend) کرنے لگے کہ وہ بہت گنہگار ہیں۔ اُس گروہ کا نام ''فرقہ ملامتیہ'' پڑ گیا تھا۔ وہ لوگوں کی ملامت چاہتے تھے کہ لوگ ملامت کریں بُرا بھلا کہیں۔ یہ رویّہ اسلام کے ساتھ، اسلام کی تعلیمات (teachings) کے ساتھ میل نہیں کھاتا، بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مومن اپنے آپ کو رسوا اور بے عزت نہ کرے۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَنۡبَغِی لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ يَذِلَّ نَفۡسَهُ)) (۱)

''مومن اپنے آپ کو رسوا اور ذلیل نہیں کرتا۔''

تذلُّل کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان میں اعتماد کی کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ نہ اس کو اپنی ذات پر اعتماد ہوتا ہے اور نہ دوسرے ہی اس پر اعتماد کرتے ہیں، ظاہری بات ہے جب آپ خود ہی اپنی اتنی بُرائیاں کریں گے تو بھلا کون آپ پر اعتماد کرے گا۔ اسی وجہ سے دوسرے بھی ان کو کوئی کام، کوئی ذمہ داری دینے سے کتراتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ انتہائی احساسِ کمتری (inferiority complex) کا شکار ہوتے ہیں، اپنی خداداد صلاحیتوں کو نہیں پہچانتے جو بھی کام شروع کرتے ہیں، نامکمل چھوڑ دیتے ہیں، اچانک بوکھلا (Panic) جاتے ہیں، ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ بعض اوقات لوگوں کے سامنے آنے سے ہچکچاتے ہیں، لوگوں کا سامنا نہیں کر پاتے، مجلسوں میں جانے سے گھبراتے ہیں، لوگوں کے سامنے کچھ بولنے کی ہمت ہی نہیں ہو پاتی کیونکہ اُن کو یقین ہوتا ہے کہ میں بہت بُرا بولتا ہوں، بولتی ہوں اگر لوگ میری بات نہیں سنیں گے تو مذاق اُڑائیں گے۔ میری آواز خراب ہے، میرا لہجہ بھی خراب ہے لہٰذا میں کسی سے بات نہیں کرونگا۔ اسکے علاوہ دوسروں کی بہت زیادہ، بے جا تعریف کرتے

(۱) جامع ترمذی، کتاب الفتن....

ہیں ۔ یہ بھی تذلُّل کی علامت ہے۔ حسرت کے ساتھ دوسروں کی تعریف کرنا؛ متکبر شخص صرف اپنی تعریف سننا پسند کرتا ہے مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ تذلُّل میں مبتلا انسان دوسروں کی بے تحاشا تعریف کرتا ہے۔ متکبر انسان کسی کی تعریف برداشت نہیں کرسکتا اور تذلُّل والا انسان اپنی تعریف نہیں سن سکتا۔ اگر کوئی تعریف کر بھی دے تو فوراً کسرِ نفسی سے کام لیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں، طرح طرح کی تاویلیں پیش کریں گے کہ ہم اس قابل نہیں ہیں، ہمارے اندر کوئی خوبی یا اچھائی نہیں ہے۔

تذلُّل کے نقصانات:

تذلُّل کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان کی شخصیت تباہ ہوجاتی ہے، بڑی خطرناک شکل اختیار کرلیتی ہے۔ بعض دفعہ ایسے لوگوں میں تلخی آجاتی ہے، سب کے ساتھ ترش رو ہوجاتے ہیں۔ تذلُّل میں گرفتار لوگ اپنے سے بڑوں میں تو ٹھیک رہتے ہیں لیکن اپنے ماتحتوں کو یا اپنے بچوں کو بہت زیادہ پیس (crush) کر رکھ دیتے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جس کا تعلق میری ذات سے ہے وہ بھی خراب ہی ہوگا، جن لوگوں میں یہ مرض ہوتا ہے وہ اپنے بچوں کے اٹھتے بیٹھتے برائیاں کرتے ہیں۔ میرے بچے بہت نالائق ہیں، ناک موٹی ہے، رنگ کالا ہے، چھوٹا قد ہے، بدتمیز ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے لوگوں سے آپ کبھی بھی اپنے گھر والوں کی تعریف نہیں سنیں گے۔ جس خرابی کا کسی کو پتہ نہیں یا کوئی عیب ہے جو کسی کو معلوم نہیں وہ بھی بھری محفل میں بیان کردیں گے۔ یہ اپنا احساسِ کمتری اور تذلُّل اپنے ماتحتوں میں بھی منتقل کردیتے ہیں اور اگر کبھی ان کو کوئی عہدہ (leadership) مل جائے تو اپنی ٹیم (team) کی تحریک (motivation) بالکل ختم کردیتے ہیں۔ کبھی کسی کی تعریف نہیں کرتے بلکہ ہر بات پر تنقید کرتے ہیں۔ اُن کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جس ٹیم کا لیڈر مجھ جیسا ناکارہ انسان ہے اس کے ماتحت بھی ایسے ہی ہوں گے۔ بجائے اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے ادا کریں، خوداعتمادی کے ساتھ کام کریں وہ تو اسی پر حیران رہتے ہیں کہ مجھے یہ (honour) دیا کیسے۔ اپنا یہ اعزاز اُن کو بڑا عجیب اور انہونی چیز لگتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ اعزاز قبول نہیں کرپاتے۔ چنانچہ ان کی صحبت میں لوگ نکھر نہیں پاتے، کسی کی خوبی یا صلاحیت پروان نہیں چڑھ پاتی۔

تذللُ پیدا ہونے کے اسباب:

تذلُّلُ کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے زندگی کے کسی حصے میں ان پر شدید تنقید کی گئی ہو تو جذباتی خلش (emotional scar) رہ گیا ہو، نفسیات پر گہرا اثر ہوا ہو یا کسی کے مقابلے میں ان کو حقیر سمجھا گیا ہو۔ اسی لیے والدین سے ماقبل گزارش کی گئی تھی کہ وہ اپنے بچوں میں مقابلہ (compare) نہ کریں، کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دیں۔ کسی ایک بچے کو تو بہت توجہ لاڈ پیار دینا اور دوسرے کو بالکل نظرانداز (neglect) کر دینا بھی تذلُّل کا باعث ہوسکتا ہے۔ مزید یہ کہ بچوں میں سے کسی کو بدشکل اور بیوقوف ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے اور مسلسل یہ رویّہ اور سلوک رہے تو قدرتی طور پر ایسے بچوں میں بھی احساس کمتری پیدا ہو جاتی ہے۔ تو بچوں کو کبھی بھی اُن کے کسی عیب یا خرابی کا مسلسل ذکر نہیں کرنا چاہیے کبھی بچوں کو پاگل یا بیوقوف (stupid) نہیں کہنا چاہیے۔

عام طور پر مائیں غصہ میں ایسے الفاظ عام طور پر استعمال کر جاتی ہیں، اگر ایسا کبھی ہو جائے تو بچوں سے معافی (apologize) مانگ لیں۔ اور اللہ سے بھی استغفار کریں۔ اس کو معمول (routine) نہ بنائیں، بچوں کو ہر وقت بُرا بھلا کہنے سے ان کے اندر ذلت کا احساس پیدا ہوگا۔ اپنے بچوں کے سامنے ہمیشہ دوسرے بچوں کو اچھا کہیں گے کہ وہ ایسے تمیزدار (well behaved) ہیں، صاف ستھرے رہتے ہیں، والدین کا کہنا مانتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو یہ تذلُّل کا باعث بن جائے گا۔ اس لیے انتہائی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ایک اور بات نہایت ضروری ہے کہ انسان اپنی نعمتوں پر نظر رکھے، ان کا شعور رکھے اور اپنی خوبیوں پر اپنے رب کا شکر ادا کرے، نعمتوں اور صلاحیتوں پر نظر رکھے۔ اگر اپنی نعمتوں کا احساس نہیں ہوگا تو لامحالہ تلخی پیدا ہوگی، مایوسی (depression) جنم لے گی۔

تذللُ کا علاج:

احساسِ ذلت کا سب سے بہترین علاج تقویٰ ہے۔ اپنے آپ کو کسی کی نظر سے دیکھنے کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ کی نظر سے دیکھیں۔ اللہ نے فرمایا:

﴿الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴾ (السجدہ :۷)

''اللہ نے جو چیز بنائی بہت اچھی بنائی۔''

مجھے اللہ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ میں اللہ کا شاہکار (master piece) ہوں۔ میں کیوں اپنے آپ کو کسی اور کی نظر سے دیکھوں۔ اپنے آپ کو کسی اور کے معیار پر کیوں جانچوں۔ لوگوں نے عقل کے، خوبصورتی کے، اعلیٰ اور کمتر کے، اچھے بُرے کے اپنے اپنے معیارات بنائے ہوئے ہیں۔ چھوڑیں ان سب کو! مت دیکھیں اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے! صرف اللہ کی نظر سے اپنے آپ کو دیکھیں! کیونکہ اللہ ہی نے ہمیں بنایا ہے اور اللہ نے خود کہا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو بہت اچھی ساخت پر بنایا ہے۔ بے شک اللہ بہترین خالق ہے۔

﴿فَاَحۡسَنَ صُوَرَكُمۡ﴾ (التغابن: ٦٣)

''بہت اچھی بنائی ہیں صورتیں۔''

جب اللہ اپنی بنائی ہوئی صورتوں کو اچھا کہہ رہے ہیں تو مان لیں کہ ہم بہت اچھے ہیں، اور اللہ سے دعا کر کے اس احساس کمتری کو قابو (control) کریں، اِس سے چھٹکارا حاصل کریں۔ اگر کہیں گفتگو کرنی ہے تو اچھی طرح مشق (practice) کریں اور بھرپور تیاری کے ساتھ جائیں۔ کوئی نئی چیز پکانی ہے تو بغیر کسی خوف کے پکائیں۔

تذلُّل کا علاج ممکن ہے۔ عموماً لوگ اس سے نکل آتے (recover) ہیں۔ احساس کمتری کی گھاٹی سے نکل آتے ہیں، پھر اُن کی شخصیت نکھر جاتی ہے۔ بعض دفعہ اللہ کے فضل سے رفیقِ حیات ایسا مل جاتا ہے جو ان کو احساس کمتری سے نکال لیتا ہے لیکن یہ ایک بہت طویل (process) ہے۔ قدم بقدم، ایک ایک دن کر کے محنت کرنی پڑتی ہے۔

تذلُّل کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بچپن میں اُن کو محبت نہیں ملی ہوتی، محرومیت کا ایک احساس ہوتا ہے۔ توجہ اور پیار نہیں ملے ہوتے تو یہ محرومیاں انسانی شخصیت پر (personality) پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اگر کسی انسان کو کسی رشتے سے کوئی پیار نہ ملا تو وہ سوچے کہ جس ہستی نے مجھے دنیا میں بھیجا ہے وہ تو مجھ سے پیار کرتا ہے، وہ میرا ساتھی اور مددگار ہے۔ اور ایسے جملے کہنا چھوڑ دے جن میں اپنی

برائی ہو،اس کو بالکل فخر کی بات نہ سمجھے کہ ہم تو خود ہی اپنی برائیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

اگر بچوں میں کوئی عیب ہے تو اس بات کو اپنے اور بچے کے درمیان رہنے دیں، ڈھنڈورانہ پیٹیں۔اسی طرح آپکے ماتحت میں کوئی عیب ہے تو ماتحت اور آپ تک محدود رہنا چاہیے۔پوری دنیا کے سامنے تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔اور اگر آپ میں کوئی عیب ہے تو اللہ سے رجوع کریں،اللہ سے مدد اور رہنمائی طلب کریں۔اور جتنا بھی ممکن ہو لوگوں کے سامنے اچھی (presentable) طرح سے آئیں تا کہ لوگوں کو ہنسنے کا،مذاق اڑانے کا،برائی کرنے کا موقع نہ ملے۔انشاءاللہ بہتری ہوگی۔

تذلّلُ والوں کی مدد اور علاج:

ایک خیال یہ آتا ہے کہ اگر اپنے اردگرد ہمیں ایسا انسان نظر آئے جو احساس ذلت کا شکار ہے تو اس کی مدد کیسے کی جائے۔اس کو بھی احساس دلایا جائے کہ اللہ نے اسے بھی اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے اور اللہ اُس سے کتنی محبت کرتا ہے۔مذکورہ ساری تجاویز بھی اُس پر آزمائی جاسکتی ہیں۔ایک علاج یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ کسی ٹیم (team) کا حصہ بن جائیں۔اس لئے کہ تذلّلُ میں بندے کو اپنے بے کار (worthless) ہونے کا احساس ہوتا ہے۔جب یہ لوگ کسی ٹیم (team) سے جڑ کر کام کرتے ہیں تو اس کے تذلّلُ کا علاج ہو جاتا ہے۔اجتماعیت (team work) میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت رکھی ہے۔اگر ایسے لوگ آپ کے ماتحت ہیں تو اُن سے ایسا کام لیں، جو نسبتاً آسان (simple tasks) ہو، ہلکا پھلکا ہو۔جب وہ کسی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں گے تو اُن کے اندر اعتماد آئے گا۔ ایک احساسِ تحصیلِ مقصد (sense of achievement) پیدا ہوگا۔مل کر کام کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی کسی کام کو ادھورا چھوڑنے کے چکر میں ہو تو باقی افراد پکڑ لیتے ہیں۔اور اُس کے قدم جماتے ہیں کہ تم یہ کام چھوڑ کر نہیں جاسکتے تو مجبوراً ہی اُس کو وہ کام پورا کرنا پڑتا ہے۔اِس سے بھی اُس کے اندر اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

اگر کسی کے اندر تذلّلُ ہو تو اس کی تعریف کرنی چاہئے۔کیونکہ اس مرض کے علاج کے لئے تھوڑا انتہا (extreme) پر جانا ہوگا جیسے کہ آپکے پاس پانی ہے جو کہ بالکل یخ ٹھنڈا ہے اور آپ اسکا

درجہ حرارت معتدل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کیا کرتے ہیں، گرم پانی ڈال کر اُس کی ٹھنڈک کو متوازن یا کم کرتے ہیں۔ اور گرم پانی کا اضافہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ پانی کا درجۂ حرارت حسبِ ضرورت ہو جائے۔ لیکن اگر مسلسل کھولتا ہوا پانی ملاتے رہیں گے تو پانی دوسری انتہا تک پہنچ جائے گا یعنی بہت گرم ہو جائے گا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مثال دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شدید بیماری کا ازالہ کرنے کے لیے بعض دفعہ دوسری انتہا پر جانا پڑتا ہے، یعنی تکبر ایک شدید مرض ہے۔ عُجب کا تیسرا مرحلہ (third stage) ہے۔ تو اس کا علاج بھی انتہا (extreme) ہی ہوگا۔ جیسے کہ سرطان (cancer) میں کاٹ چھانٹ کرنی پڑتی ہے، صرف دوائیوں سے علاج ممکن نہیں۔ اس کے برخلاف جس کے اندر تکبر ہے وہ اپنی تعریف ہرگز نہ کرے اور نہ دوسروں سے سنے، اور کوئی دوسرا متکبر انسان کی جائز تعریف بھی نہ کرے۔ جب تک کہ تکبر اندر سے مٹ نہ جائے، دور نہ ہو جائے۔ اس کے بعد پھر معتدل رویّہ اختیار کرنا چاہیے۔ عام انداز میں بات چیت اور دوستانہ تعلقات قائم رکھنے چاہئیں۔ اسی طرح جس کے اندر تذلُّل ہے اس کے ساتھ بھی شفایاب ہونے تک دوسری انتہا (extreme) پر جانا ہوگا۔ اپنے بارے میں بہت مثبت (positive) اور اچھا اچھا سوچے، اپنے متعلق ہمیشہ اچھا گمان رکھے اور تعمیری (constructive) سوچ رکھے۔

اور تذلُّل میں مبتلا شخص کی خوب تعریف کرنی چاہیے۔ خوب حوصلہ افزائی (encourage) کرنی چاہیے تاکہ اس کے اندر خود مختاری پیدا ہو۔ اسکو توجہ (attention) دینی چاہیے، نظر انداز (ignore) بالکل بھی نہ کریں۔ اُسکی معمولی محنت اور کامیابی پر بھی دل بڑھائیں۔ اتنے عرصے تک یہ علاج جاری رکھیں جب تک وہ اعتدال پر نہ آجائیں اور اپنے متعلق اچھا سوچنے لگیں۔ جس طرح ڈاکٹر دوائی کی مقدار مسلسل کم کرتا جاتا ہے اور صحت یاب ہونے کے بعد بالکل بند کر دیتا ہے اسی طرح تذلُّل میں بھی ایک اعتدال پر آکر علاج بند کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو خود سنبھال لیں۔ اس طرح انشاء اللہ شفا ملے گی اور شخصیت متوازن ہو جائیگی۔

تواضع

تکبر اور تذلل دو انتہائی طرزِ عمل ہیں اور ان کے بیچ میں تواضع (humble) ہے۔ اعتدال پسند (modest) ہونا۔ متواضع شخصیت کو اسلام پسند کرتا ہے کیونکہ اسلام خود بھی معتدل دین ہے۔

تواضع کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متوازن طرزِ عمل کی مدح سرائی فرمائی ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ (فرقان: ٦٣)

''رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین میں دھیمی چال چلتے ہیں۔''

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے:

((وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ))[(١)]

''کوئی شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔''

مراد یہ کہ اللہ کی خاطر جو تواضع اختیار کریگا اللہ اُسے عزت دیگا۔

صحیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ أَوْحَى اِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ وَلَا يَبْغِ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ))[(٢)]

''اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ آپس میں تواضع اختیار کرو حتّٰی کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔''

یہ متوازن رویّہ (balance attitude) اسلام میں مطلوب (required) ہے۔

---

(١) مسلم، کِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَاب اسْتِحْبَابِ الْعَفْوِ...

(٢) مسلم، تَاب الْجَنَّةِ وَصِفَةِ نَعِيمِهَا وَأَهْلِهَا، بَاب الصِّفَاتِ الَّتِي يُعْرَفُ بِهَا فِي الدُّنْيَا...

تواضع کی حقیقت:

تواضع دل اور روح کا فعل ہے، روح کی کیفیت کا نام ہے اور اس کا مظہر یہ ہے کہ انسان جو کچھ حاصل کرے اُس کا سہرا (credit) اپنے سر نہ لے بلکہ اللہ کو دے، اپنی کامیابیوں کو اللہ کی دَین سمجھے۔ تواضع یہ ہے کہ انسان اپنے بارے میں زیادہ نہ سوچے ورنہ وہ عُجب اور خود پسندی کا شکار ہو جائے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ اپنے آپ کو گھٹیا سمجھے، یہ بھی نہیں کرنا۔ کسی نے انکساری (modesty) کے بارے میں بہت ہی پیاری بات کہی ہے کہ:

"Modest people do not think less of themselves, but they think about themselves less"

''متواضع لوگ اپنے آپ کو کم نہیں سمجھتے، گھٹیا اور حقیر نہیں سمجھتے بلکہ اپنے بارے میں کم سوچتے ہیں۔'' یعنی اُن پر ہر وقت اپنی شخصیت کا خمار نہیں چھایا رہتا۔ یہ ہے دراصل تواضع کہ انسان اپنے بارے میں میانہ روی اختیار کرے۔

اگر کسی کو محسوس ہوتا ہے کہ لوگ اس کی عزت اور تعظیم میں غلو کر رہے ہیں، مثلاً لوگ منہ بھر بھر کر تعریفیں کر رہے ہیں یا لوگ اُس کا درجہ حد سے زیادہ بڑھا رہے ہیں، ایسی ایسی خوبیاں جوڑ رہے ہیں جو اُس میں نہیں پائی جاتیں تو اصلاح کی غرض سے اپنی کسی کمزوری کا ذکر کر دے۔ اگر ایسا کوئی واقعہ آپکے ساتھ پیش آجائے مثال کے طور پر کوئی آپ کے کھانا پکانے کی بہت تعریف کر رہا ہے تو فوراً خطرے کی گھنٹی بجنی چاہئے کہ اب میرے اندر عُجب آنے والا ہے یا آچکا۔ جب کسی محفل میں اس طرح تعریف کی جاتی ہے تو دو طرح کے خطرے ہوتے ہیں؛ اپنے اندر عجب آنے کا اور دوسروں کے دل میں حسد پیدا ہونے کا۔ اگر کوئی اس طرح آپ کی تعریف کرے تو آپ کا ردّ عمل کیا ہونا چاہئے؟ اگر آپ کہیں گے کہ اللہ نے میرے ہاتھ میں ذائقہ دیا ہے تو اس پر اعتراض وارد ہوگا کہ یہ بڑی اللہ کی لاڈلی ہیں، بڑی نیک پارسا ہیں۔ بہر کیف سننے والے آپ کے بارے میں کچھ نہ کچھ منفی (negative) ہی سوچیں گے۔ لہٰذا کوئی بھی آپکی تعریف کرے، آپ کی شکل وصورت کی، کپڑوں کی، آپکے ذوق

(taste) کی، کھانے پکانے کی تو ایسی صورتحال میں آپ اپنی کسی غلطی یا لغزوری کا ذکر کرسکتی ہیں۔ مثلاً خاموشی سے کہہ دیں کہ پہلے ایک دو دفعہ کوشش (try) کی تھی تو بہت بُرا پکا تھا، جل گیا تھا یا نمک تیز ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ سچی بات تو یہ ہے کہ غلطیاں سب ہی سے ہوتی ہیں تو اپنی کسی ایسی ہی غلطی کا ذکر کر دیں۔ انشاء اللہ اس طرح لوگوں میں حسد پیدا نہیں ہوگا۔

تکبر اور تذلل کا تزکیہ:

تکبر اور تذلل دونوں عیوب ہیں۔ ان عیبوں کو تزکیے سے ختم کرنا ہے۔ تزکیہ کی مثال میک اپ (make up) کی سی ہے۔ جیسے کہ چہرے کا میک اپ (make up) کر کے داغ دھبے وغیرہ چھپائے جاتے ہیں اور اس کا استعمال ایسی مہارت سے کیا جاتا ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ میک اپ (make up) کیا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ تواضع میں ہم اپنے عیوب کو چھپانے کے بجائے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ زیادہ میک اپ (over make up) بدنما لگتا ہے اور کم میک اپ (under make up) سے عیب نہیں چھپتے اسی لیے میک اپ درمیانہ اچھا لگتا ہے۔ تواضع بھی دو انتہاؤں کی درمیانی کیفیت ہے کہ اپنی تعریف سن کر نہ بہت اِترایا جائے اور نہ ہی بہت حقیر بنا جائے کہ یہ تو سب میک اپ (make up) کا کمال ہے، میں اتنی خوب صورت کہاں ہوں، میری شکل و صورت تو بہت معمولی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایسی تواضع اختیار نہ کریں کہ شخصیت مزید بدنما ہو جائے اور تواضع شخصیت کا عیب (false modesty) بن جائے۔ آپ کو پتہ ہے کہ کھانا اچھا پکا ہے یا آپکو پتہ ہے کہ آپ اچھی لگ رہی ہیں۔ تو نہ نہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مان لیں کہ اچھا ہے اور اللہ کا شکر بجا لائیں۔ ساتھ ہی اس تأثر کو زائل (tone down) کرنے کی کوشش کریں مثلاً کوئی کھانے کی تعریف کرے تو آپ کہہ دیں کہ کبھی کبھی اچھا بن جاتا ہے اور کبھی نہیں بھی بنتا ہے۔ اس طرح آپ کی تعریف کسی کے حسد کی وجہ نہیں بنے گی۔ اور آپ بھی عجب سے محفوظ رہیں گی۔

دوسرے کی حوصلہ افزائی کے لئے اپنا ذکر کر سکتے ہیں:

اسی طرح کسی کو اپنی اصلاح کے حوالے سے مایوسی ہو رہی ہو اور وہ آپ کے سامنے اس کا ذکر کرے کہ میں تو ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا، میں نماز کی پابندی کر ہی نہیں سکتا، فجر میں مجھ سے اٹھا ہی نہیں جاتا تو اُس کی حوصلہ افزائی (encourage) کرنے کے لئے اس طرح کی باتیں کریں کہ مجھ میں بھی یہ کمزوری تھی، اللہ کے فضل سے دور ہوگئی، آپ کوشش کرتے رہیں اور اللہ سے دعا کریں آپکی بھی یہ خامی دُور ہو جائے گی۔ اللہ نے مجھ پر فضل کیا ہے یقیناً آپ پر بھی کرے گا۔

اگر بغیر کسی وجہ کے آپ کو اپنے اندر عُجب محسوس ہو رہا ہے تو اپنی کمیوں کوتاہیوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس کا جواز یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں منبر پر آئے۔ لوگوں سے خطاب کیا اور اپنا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! تو وہی ہے نا جو مکے میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ لوگ بڑے حیران ہوئے بعض نے کہا امیر المومنین! یہ آپ نے کیا بات کی۔ آپ تو اتنی بڑی ریاست کے امیر ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا تو میرے دل میں خیال آیا، واہ عمر رضی اللہ عنہ! آج تیرے پاس کتنی بڑی ریاست ہے۔ بس یہ خیال آیا تو میں نے اس کا علاج یہ سوچا کہ میں لوگوں کو بتا دوں کہ میری اصل حقیقت کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں تقویٰ تھا تو وہ شیطانی خیال کو فوراً پہچان گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ عُجب کا سانپ نقصان پہنچاتا، اژدہا بن کر ساری نیکیاں نگل جاتا، ایمان کا دشمن بنتا، اُس کا سر کچل دیا۔ اِس طرح بھی تواضع آتی ہے۔

عجب اور تکبر سے بچنے کے اور طریقے:

اسی طرح اگر آپ کسی بڑے گھر میں رہتے ہیں اور کوئی اُس گھر کی تعریف کرے تو آپ کہہ دیں کہ ہم مدتوں فلیٹ (flat) میں رہے تھے۔ اس طرح تعریف کرنے والا بھی سمجھ جائے گا کہ یہ لوگ جدّی پُشتی امیر نہیں ہیں۔ لہٰذا عُجب اور حسد دونوں کا سدّ باب ہو جائے گا۔ مزید یہ کہ چھوٹوں کو سلام کرنا،

خواہ عمر میں چھوٹے ہوں یا رتبے میں، نوکر چاکر، کام کرنے والیاں، ان سب کو سلام میں پہل کرنے کی کوشش کریں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک متفق علیہ روایت ہے:

((أَنَّهُ مَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ)) (۱)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گذرے تو بچوں کو سلام کیا اور کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کرتے تھے۔''

اگر لباس کے حوالے سے کبر آ رہا ہے یعنی لوگ آپ کے اوڑھنے پہننے کی بہت تعریف کرنے لگے ہیں کہ آپ کی پسند (choice) بہت اچھی ہے، بہت اچھے کپڑے پہنتی ہیں، ڈیزائن (design) بہت اچھے ہوتے ہیں تو اس وجہ سے بھی عُجب آ سکتا ہے اور دوسروں میں حسد جذبات ابھر سکتے ہیں تو ایسے میں تواضع اختیار کریں اور لباس میں سادگی اپنائیں۔ لیکن یاد رکھیں بات سادہ لباس کی کی گئی ہے گندے، بدنما، بے ڈھنگے لباس کی نہیں۔ لباس خوب صورت ہو، اچھا ہو مگر بہت مہنگا نہ ہو، سادہ لباس بھی خوب صورت ہو سکتا ہے۔

تواضع کی ایک صورت:

تواضع یہ بھی ہے کہ جب لوگوں کے درمیان موجود ہوں تو کوئی نمایاں مقام حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ یعنی یہ تمنا دل میں نہ آئے کہ مجلس، محفل یا دعوت میں اپنے کپڑے دکھاؤں یا خود کو بہت اہم شخصیت بتلاؤں۔ اور نہ توجہ (attention) سے بہت زیادہ گھبرائے اور (embarrassment) ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان چلا کرتے تھے، آگے آگے نہیں چلتے تھے۔ نفس بہکائے گا کہ آپ تو بڑے عزت والے ہیں۔ آگے ہونے میں عزت مت محسوس کریں۔ اگر

---

(۱) بخاری، كِتَاب الِاسْتِئْذَانِ، بَاب التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ.

کوئی کسی کو بڑا سمجھتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے۔ دوسروں کی رائے (opinion) کا اتنا یقین نہیں کرنا۔

سب سے مختلف (different) لگنے کی خواہش اور کوشش مت کریں۔ سب (crowd) کے ساتھ رہیں، منفرد دکھنے کی کوشش مت کریں۔ آپ کے دل میں اگر یہ خواہش ہو کہ مجھ جیسا زیور مجلس میں کوئی اور نہ پہنے۔ تو اتار دیں تاکہ عُجب نہ آئے یا کوئی جوڑا پہن کر یہ احساس ہو کہ ایسا تو کسی کے پاس ہوگا ہی نہیں۔ جونہی یہ احساس آئے اُس لباس کو تبدیل کرلیں، اتار دیں کچھ اور پہن لیں تاکہ عُجب سے نجات ملے۔ یہ بظاہر تو سخت (extreme) اقدام ہیں لیکن یہ ناگزیر ہیں، ان پر جانا ہوگا تاکہ دل سے عُجب نکل جائے، شخصیت اوسط درجہ (average) پر آجائے۔ آج کل لوگ اس اوسط (average) کے لفظ سے بہت بیزار (allergic) ہیں اس سے بڑی کوئی گالی نہیں سمجھی جاتی۔ اوسط (average) کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ جیسے باقی سب لوگ ہیں ویسا ہی میں بھی ہوں۔ لیکن ہمیں تو منفرد رہنے کا مرض ہے، ہمارے نفس پر یہ بات بہت گراں گزرتی ہے کہ ہمیں عام انسانوں کی صف میں لا کھڑا کردیا جائے۔ ہمارے بچے کی کارکردگی کی رپورٹ (report card) پر اگر استاد نے اوسط (average) کا فقرہ (comment) لکھ دیا تو بچے کی شامت آجاتی ہے۔ یعنی ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا بچہ اور بہت سے بچوں کی طرح ہو۔ ہم تو بے تحاشا تعریف سننا چاہتے ہیں، بہترین (best) سے کم پر راضی نہیں ہوتے، بے مثال (unique) ہوں اور بہترین (best) ہوں تب راضی ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو یہ یقین دلائیں کہ ہم متوسط انسان (average) ہیں اور متوسط (average) ہونا کوئی خرابی یا کمی نہیں، کوئی بے عزتی کی بات نہیں۔ اپنے آپ کو اس بات پر قائل (convince) کیجئے کہ جیسے اور لوگ ہیں ویسے ہی ہم ہیں۔

اللہ کی عطا کردہ کسی نعمت کی وجہ سے یا کسی کامیابی کی وجہ سے خود کو لوگوں سے بہتر نہ سمجھیں اور نہ انسان خود کو حقیر اور گھٹیا سمجھے۔ قرآن میں اللہ فرماتا ہے۔

﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحیٰ: ١١)

''اور جو نعمت آپ ﷺ کے رب نے آپ کو دی ہے اس کو بیان کیجئے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے تلقین فرمائی ہے۔ حاصل گفتگو یہ ہے شکر اور تواضع کو اپنی شخصیت کا حصہ بنائیں۔ اللہ نے جو نعمتیں دی ہیں ان کا اظہار ہونا چاہئے ان کو چھپا چھپا کر نہ رکھا جائے جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ اللہ کسی شخص کو نعمت دے تو وہ اس پر ظاہر بھی ہو یعنی اگر کسی شخص کو اللہ نے کھاتا پیتا بنایا ہے تو اس کے بود و باش سے ظاہر ہو۔ اللہ نے صاحب ثروت بنایا ہے تو اچھا رہنا سہنا رکھیں تا کہ ظاہر ہو کہ اللہ نے اس کو دے رکھا ہے محتاج یا فقیر نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی رعایت کرنا کہ دکھاوا اور عجب نہ ہو، مشکل معاملہ ہے مگر قرآن و احادیث اس بارے میں ہمارے رہنمائی کرتی ہیں۔ شکر کے طور پر نعمت کا ذکر کرنا کہ لوگ آپکو محتاج، ضرورت مند نہ سمجھیں، بے چارہ سمجھ کر ترس نہ کھائیں تو ایسی چال ڈھال، خوراک، رہن سہن اپنانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل نظر آئے۔ لیکن کون کون سی نعمت کا ذکر کرنا ہے، کس جگہ اور کہاں ذکر کرنا ہے، یہ انسان خود ہی فیصلہ (judge) کر سکتا ہے، خود ہی تجربہ کر کے پتہ چلے گا۔

تواضع کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر کرنا ہی بندہ چھوڑ دے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَنَاسَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَافَخْرَ))[١]

''میں بنی آدم علیہ السلام کا (آدم کے بیٹوں کا) سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں۔''

اللہ نے جو مقام دیا اُس کا اقرار، اُس کا اظہار، اُس کا شکر کہ اللہ نے دیا یہ بات عُجب نہیں پیدا ہونے دے گی۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ آپ مجھ کو یہ کام دے دیجئے میرا حافظہ اچھا ہے میں یہ اچھی طرح کرلونگی یا کرلونگا۔ اللہ نے مجھے اچھی یاداشت (memory) دی ہے۔ یہ تواضع ہے یہ نعمت کا شکر ادا کرنے کا، اظہار ہے تا کہ اللہ کی اِس نعمت سے لوگوں کو فائدہ پہنچ سکے۔ اپنی خوبی پہچانے گا تو ہی اُس کی

(١) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل النبی علیہ السلام

ذمہ داری بندہ ادا بھی کریگا۔ اگر اپنی خوبی سے ہی بے خبر ہے تو اُس کی ذمہ داری کیسے انجام دے گا۔ اپنی خوبی کی وجہ سے، اپنی نظروں میں بلند نہیں ہونا۔ فخر نہیں کرنا کہ میرے اندر یہ خوبی ہے اور میں دوسروں سے اِس وجہ سے بہتر ہوں۔ قابل تعریف اور قابلِ عزت ہوں۔ اپنی خوبی کو، اپنے وصف کو اپنا کمال نہ سمجھے۔ اِس کو بہت سر پر سوار نہ کرے۔ جتنی ہے اُس کو اتنا ہی رکھے۔ جیسے ہم نے بات کی کہ درمیانہ (average) ہے تو درمیانہ (average) رکھے۔

جو مقام اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دیا۔ تمام انسانوں پر فضیلت دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں ﷺ فخر نہیں کر رہا۔ اللہ کی طرف سے دین ہے۔ اللہ پاک نے مجھ کو یہ مقام عطا کیا ہے''۔ خوبی کی وجہ سے اپنی نظروں میں خود بلند نہیں ہو جانا۔

عربی کی ایک کہاوت ہے کہ جولاہا کو ایک دفعہ دو رکعت نفل پڑھنے کی توفیق ہوگئی تو وحی کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ سوچا کہ اتنا اعلیٰ عمل کر لیا ہے، اتنی بڑی نیکی کر لی اب تو مجھ پر وحی نازل ہونی چاہئے۔

جیسے کہ ہم قرآن پڑھ کر الہامی خوابوں کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں کہ اب خواب کے ذریعے مجھے جنت الفردوس میں میرا مقام دکھا دیا جائیگا۔ یا ہم شکوہ کرتے ہیں کہ ہمیں تو خواب ہی نہیں آتے، کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ ہم کتنے اچھے مسلمان ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی کسی خوبی یا اپنے کسی عمل کو اتنا بڑا سمجھیں کہ اس کو اپنے لئے طرّہِ امتیاز بنالیں اور نہ اتنا حقیر اور گھٹیا سمجھیں کہ اللہ کی ناشکری کرنے لگیں۔ انسان یہ سوچے کہ میں اس عنایت کا، اس چیز کا مستحق (deserve) نہیں تھا۔ اللہ نے اپنے فضل اور کرم سے مجھ کو یہ عطا فرمایا ہے۔ اللہ مجھ سے یہ کام لینا چاہتا ہے تو میں کر رہا ہوں۔ میں اللہ کا غلام ہوں جو کام وہ مجھ سے لینا چاہے اس کام کی توفیق بھی وہی دے دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے کبھی معاشرے میں بڑا ہی باعزت مقام مل جائے ہوسکتا ہے کبھی معاشرے میں بے عزتی ہو جائے۔ قبول کر لیں۔ دونوں حالتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ وہ مالک ہے۔ نہ عزت پر اِترانا ہے اور نہ بے عزتی پر احساسِ ذلت کا شکار ہو جانا ہے۔ دونوں کے درمیان رہنے کی ضرورت ہے۔

تکبر کا علاج:

اگر تکبر کا احساس ہوجائے تو یہ بڑا خطرناک مرض ہے، اس نے شیطان کو اپنی غلطی کا اقرار کرنے سے روک دیا اور اس میں نافرمانی کی صفت کو جنم دیا۔ فرعون کے قبولیتِ حق کی راہ میں آڑ بنا، یہاں تک کہ وہ حقارت پر اتر آیا، اس مرض کی نشاندہی اور علاج نہایت اہم ہے۔ جب دل میں اپنی بڑائی کا احساس ہو تو استغفار کیجئے، شعور کے ساتھ عاجزی کی دعا مانگیے۔ اگر کسی ایک شخص کو بھی آپ اپنے سے کم تر سمجھتے ہیں تو توبہ کیجئے اور اس کے لئے دعا کیجئے، کبھی ذہن میں خیال آئے کہ میں یہ کام فلاں سے بہتر کرسکتا ہوں تو یہ عُجب ہے۔ فوراً استغفار کیجئے اور اس شخص کے لئے دعا کیجئے کہ اللہ اس کے درجے بلند فرمائے۔ اور نفس کُشی کے لیے وہ کام کریں جن کو آپ حقیر سمجھتے ہیں۔ مثلاً اگر اپنی گاڑی پر تکبر ہے تو کبھی کبھی رکشہ میں سواری کرلیا کریں، ایسی جگہ جائیں جہاں آپ کے جاننے والے آپ کو دیکھیں تاکہ یہ بُت ٹوٹ جائے۔ اور اگر آپ کے بچوں میں یہ چیز ہے تو کبھی کبھار اُنھیں بس میں یا ٹیکسی میں سفر کروائیں، اُنھیں بتائیں کہ یہ چیز بہت ضروری ہے۔ بچوں کو یہ باور کروائیں کہ بسوں، رکشوں اور ٹیکسیوں میں بھی ہمارے طرح کے انسان ہی سفر کرتے ہیں۔ بچے تھوڑے بڑے ہوجائیں تو انھیں عام سواریوں کے استعمال کی بھی عادت ڈالیں۔ بچوں سے اُن کا کمرہ صاف کروائیں، کچرا دان (dust bin) خالی کروائیں، جوتیاں پالش کروائیں وغیرہ۔ نعمتوں پر اِترانا (flaunt) چھوڑ دیں۔ اپنی قیمتی چیزوں کی نمائش سے ہاتھ روک لیں۔ اپنی نعمتوں کا ذکر ہی مت کریں۔ اپنی تعریف اگر سنیں تو دعا کریں۔

((اللھُمَّ لا تُؤَاخِذْنِي بِمَا يَقُولُونَ، وَاغْفِرْ لِي مَا لَا يَعْلَمُونَ، وَاجْعَلْنِي خَيْرًا مِمَّا يَظُنُّونَ))(۱)

''اے اللہ تو میرا مواخذہ نہ کر جو یہ کہہ رہے ہیں اور مجھے بخش دے جسکا ان کو علم نہیں اور جیسا یہ مجھ کو سمجھتے ہیں اس سے بہتر مجھ کو بنادے۔''

(۱) شعب الایمان، کتاب الحج، باب حفاظ اللسان

تواضع حاصل کرنے کا طریقہ:

تواضع حاصل کرنے کیلئے اوّلاً عاجزی اور انکساری ضروری ہے۔ عاجزی دراصل دل اور روح کی کیفیت کا نام ہے، کسی خاص چال چلنے کا یا اُٹھنے بیٹھنے کا انداز کا نام نہیں ہے کہ انسان جھک جھک کر چلے، آہستہ آہستہ چلے یا بلاوجہ کپڑوں میں پیوند لگالے جبکہ اچھے کپڑے موجود ہوں۔ اس کی چنداں ضرورت نہیں، یہ جھوٹی عاجزی (false modesty) کے زُمرے میں آتی ہے۔ عاجزی تو دل کی کیفیت کا نام ہے کہ آپ اپنے بارے میں آپ کیا سوچتے ہیں۔ اپنی ذات کے بارے میں زیادہ گفتگو مت کیجئے اور نہ دوسروں کو موقع دیں کہ وہ آپ کے بارے میں زیادہ بات کریں۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو ذمہ داری سمجھیں اور انھیں دوسروں کے ساتھ بانٹیں۔ نعمت کے ساتھ احساس ذمہ داری بھی آجائے تو تواضع پیدا ہوتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ))(۱)

''جو اللہ کی خاطر تواضع اختیار کرے گا اللہ اس کو بلند فرمائے گا۔''

اللہ ہم سب کو تواضع پر قائم رہنے کی اور اسے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جن کا علاج ہم کر سکیں اللہ ہمیں ذریعہ بنادے کہ تکبر سے یا تذلل سے ان کو نجات دلا سکیں۔

تکبر، تذلل اور تواضع کی مثالیں:

اب آپ کو تکبر تذلل اور تواضع کی مثالیں کچھ نقاط کی صورت میں دی جارہی ہیں۔ ان کو بہت سنجیدگی سے مطالعہ کریں، غور کیجئے۔ یہ نقاط مرض کی نشاندہی کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوں گے۔ مزید یہ بھی پہچانیے کہ کیا یہ باتیں آپ اپنے اندر محسوس کرتے ہیں؟ دوسروں کے بارے میں یہ باتیں سوچنے سے آپ کو ہنسی آئے گی مگر اپنے بارے میں سوچنے سے آپکو ہنسی نہیں آئے گی۔

☆ مجھ میں اتنی ذہانت کہاں کہ اچھے نمبر آئیں۔ (تذلل)

(۱) مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب استعجاب العفو...

☆ میں خوب صورت نہیں مجھے محبت کرنے والا شوہر یا محبت کرنے والی بیوی نہیں ملے گی۔ (تذلل)

☆ میں نے بہترین بچے پالے، بہت اچھی تربیت کی۔شوہر بھی مجھ سے راضی ہے۔ میں بہت اچھی ساس ہوں میری بہو مجھ سے بہت خوش ہے۔ (فخر)

☆ لوگ اپنے بچوں کے بارے میں بالکل بے پرواہ ہیں، نہ ان کی پڑھائی پر دھیان، نہ ادب و تربیت پر۔ میری طرح کسی نے اچھے بچے نہیں پالے۔فلاں بہت ہی ظالم ساس ہے اپنی بہو سے اتنا بُرا سلوک کرتی ہے۔ (تکبر)

☆ ہم تو اللہ والے ہیں ہمارا دل دکھا کر کبھی چین نہ پائیں گے (تکبر)۔

اس میں امام غزالی ﷫ نے لکھا ہے کچھ لوگ ایسے کہتے ہیں کہ ہم اللہ والوں کا دل دکھایا تو دیکھا۔اللہ نے کیسی سزا دی۔اس بارے امام غزالی ﷫ لکھتے ہیں اس احمق کو یہ پتہ نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا کفار نے کیا کیسا دل دکھایا، اللہ نے ان میں سے کتنوں کو اسلام کی توفیق عطا کر دی۔اُحد میں خالد بن ولید ﷜ مسلمانوں کی شکست کا سبب بنے تھے بعد میں اُللہ نے کیسے ان کا دل کھولا۔تو ہماری کیا حیثیت نبی اکرم ﷺ کے سامنے کہ ہم اس خوش فہمی کا شکار ہو جائیں کہ اگر کسی نے میرا دل دکھایا تو سزا ملے گی۔نعوذ باللہ۔یہ چیز اچھی نہیں۔

☆ نیک زندگی گزارنے کے باوجود لوگوں کے سامنے ظاہر (pretend) کرنا کہ ہم تو بڑے ہی گنہگار ہیں۔ (تذلل)

☆ لوگوں سے اپنی تعریف سن کر خوشی ہوتی ہے اس خوشی کو بڑھنے نہیں دینا بلکہ ضبط (control) کرنے کی ضرورت ہے۔فطری طور پر انسان خوش ہوتا ہے اپنی رائے دیتے ہوئے گھبراتا ہوں کہ لوگ بے قوف سمجھیں گے (تذلل)

☆ میں آپکی دعوت میں ضرور آتا مگر تینوں گاڑیاں گھر میں نہیں تھیں۔ (فخر)

دوسروں کی تعریف سن کر دل چاہتا ہے کہ میری تعریف ہو۔یہ ایک فطری خواہش تو ہے لیکن

اس کو اللہ کی طرف لے جائیں کہ اللہ کے ہاں میری تعریف ہو۔ اگر آپ اس کو منصرف (deflect) کریں گے تو آپ دیکھیئے گا کہ آپ لوگوں سے کتنے غنی ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ لوگ آپ کی اتنی تعریف کر ہی نہیں سکتے جو آپ سننا چاہتے ہیں۔ ہاں! اللہ کے ہاں نیک اعمال کی، صبر کی اور نیکیوں کی تعریف کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا۔

☆ دوسروں کی تعریف سن کر یہ خواہش پیدا ہونا کہ لوگ میری بھی تعریف کریں (عجب)

چھوٹے بچے بھی نئے کپڑے پہن کر، عید کے دن پوچھتے ہیں میں کیسا لگتا ہوں یا لگتی ہوں۔ یہ تو بچپن کی بات ہے بڑوں کو اگر یہ خواہش اور ارمان ہو تو یہ عجب ہوگا۔ اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں یوں دعا کریں کہ ''اے اللہ میں تیری نظروں میں قابل تعریف ہونا چاہتی ہوں اس طرح نیکیوں کی طرف رغبت ہوگی تا کہ اللہ کی رضا اور خوشی حاصل کی جائے اس سے بہت فرق پڑے گا۔ لوگوں سے توقعات رکھنا بہت مایوس کن (depress) ہوتا ہے، اداس (upset) رہتے ہیں کہ لوگ تعریف کیوں نہیں کرتے تو اپنے آپ کو اس چیز سے بے نیاز کر دیں، غنی کر دیں، یہ یقیناً مشکل ہے مگر کوشش اور ساتھ ہی اللہ سے دعا کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔

☆ کسی دلہن کے کپڑوں پر اعتراض کرنا کہ اچھا ہے مگر کسی ڈیزائنر (designer) کا نہیں لگ رہا۔ (تکبر)

☆ میری بہو کا میکہ پنجابی ہے مگر لوگ اچھے ہیں، لیکن لوگ اچھے ہیں۔ (تکبر)

یہ ''اگر'' اور ''لیکن'' اچھا رویّہ ظاہر نہیں کرتا۔ ہیں تو سندھی مگر اچھے ہیں یعنی عموماً (generally) تو اچھے نہیں ہوتے ''مگر''، ''لیکن'' یہ اچھے مل گئے۔ یہ بہت ہی متعصّبانہ ذہنیت (prejudicial mind set) کی نشاندہی کرتا ہے ایسی باتوں سے گریز کریں۔

☆ کوئی تنقید سن کر ہمیشہ ماننے پر تیار رہنا کہ مجھ میں ضرور عیب ہوگا۔ (تذلل)

☆ اپنی غلطی پر معافی (sorry) مانگنا یا غلطی کا اعتراف کرنا مشکل لگتا ہے (تکبر)

☆ آج کل تہجد کے لئے اٹھتا ہوں تو پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے (فخر)

بعض لوگ ہر چیز میں اپنے آپ کو رول ماڈل بنا کر پیش کرتے ہیں، اچھی بیوی دیکھنی ہے تو مجھے دیکھو، اچھی بیٹی بننا ہے تو مجھ سے سیکھو۔ میں اچھی بہو بھی تھی اور ساس بھی مجھ جیسی کوئی نہیں۔ مجھ سے سبق سیکھو، میرے نقش قدم پر چلو، میری بات پلے باندھ لو کبھی نقصان نہیں اٹھاؤ گے۔

☆ وہ اپنے آپ کو پتہ نہیں کیا سمجھتی ہے۔ (تکبر)

☆ اپنی تعریف سن کر اللہ یاد آتا ہے اور اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ میرا ذاتی کمال نہیں۔ (تواضع)

☆ میں نے فلاں ڈش (dish) پکائی تھی لوگ تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے۔ (تکبر)

☆ نئی ڈشز (dishes) آزماتے ہوئے گھبرانا کہ میرے ہاتھ میں ذائقہ نہیں یا مجھ سے نہیں بن سکے گی۔ (تذلل)

☆ اپنی صلاحیتوں کو جاننے پہچاننے کی کوشش کرنا تاکہ ان کا حق ادا کر سکوں۔ (تواضع)

☆ اکثر کام ادھورا چھوڑ دیتا ہوں یا ذمہ داری لیتے ہوئے گھبراتا ہوں۔ (تذلل)

☆ اتنا بڑا کام سرانجام دینا ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ (تکبر)

☆ گھر سجانے میں یا کپڑے سلوانے میں مجھے اپنے ذوق (taste) پر بالکل اعتماد نہیں۔ (تذلل)

☆ دینی علم نہ رکھنے والوں کو کمتر سمجھنا۔ (تکبر)

☆ کوئی بھی کام کرنا اپنی عزت کے خلاف نہ سمجھنا۔ (تواضع)

غریب رشتہ داروں سے ملنے جانا مشکل ہو جاتا ہے۔ تمام گلیاں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں یا وہاں جا کر کپڑے سمیٹ کر بیٹھنا کچھ لوگ چلے تو جاتے ہیں مگر لگتا ہے کہ سخت مشکل میں ہیں اور یوں برتاؤ (behave) کرتے ہیں جیسے بلانے والوں پر احسان کیا ہے۔

☆ کہاں بیٹھیں کوئی ڈھنگ کی بیٹھنے کی جگہ ہی نہیں (تکبر)

☆ لوگوں سے گھلنے ملنے میں گھبراہٹ ہوتی ہے۔ (تذلل)

☆ اپنے بارے میں گفتگو کرنا اچھا نہیں لگتا نہ یہ پسند ہے کہ لوگ مجھے گفتگو کا موضوع بنائیں۔(تواضع)

اب علاج یہ ہے کہ ان تمام نقاط (statements) کا جواب ہاں یا نہ میں دے کر غور کریں کہ آپ کسی عارضے میں مبتلا تو نہیں۔

ریا کاری

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ))(۱)

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُكَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی)) (۲)

((اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَآءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ)) (۳)

''ریا'' کالفظ رَأیٰ سے بنا ہے جس کے معنی دیکھنا ہیں۔یعنی ریا کاری کا مطلب ہے یہ چاہنا کہ لوگ میرا عمل دیکھیں۔''سُمعہ'' سماعت سے بنا ہے، مراد ہے ''سننا'' یعنی کوئی عمل یا نیکی کر کے چاہنا کہ لوگوں کو میری اچھائیوں کے بارے میں پتہ چلے۔ریا کاری انسان کو نفاق کی طرف لے جاتی ہے، دیکھا جائے تو ریا کاری کا تعلق ''نفاق'' سے ہے اور نفاق سے بڑھ کر تو کوئی دل کا مرض ہو نہیں سکتا۔نفاق کو سمجھنے کے لئے ، ہم مزید چند موضوعات پر گفتگو کریں گے تا کہ ہم نفاق کا احاطہ (grip) کر سکیں۔ سر دست ہم ریا کاری پر بات کریں گے۔

منافقوں کے بارے میں قرآن حکیم کی سورۂ نساء میں ذکر ملتا ہے:

﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوةِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلاَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلاَّ قَلِیْلاً﴾ (النساء :۱۴۲)

''جب یہ منافق نماز کی طرف آتے ہیں تو بہت سستی کے ساتھ آتے ہیں، صرف لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کو یاد ہی نہیں کرتے مگر بہت کم۔''

---

(۱)شعب الایمان، کتاب حسن الخلق،فصل فی الحلم والتؤدة...

(۲)مسلم، کِتَاب الذِّکرِ وَالدُّعَاءِ ،بَاب التَّعَوُّذِ مِنْ شَرِّ مَا عُمِلَ...

(۳)کنزل العمال فی سنن الاقوال والأفعال، کتاب الدعا،الفصل السادس جوامع الأدعیة

اس آیت میں ان کی نمازوں کا حال بیان ہوا ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں نماز نہیں پڑھتے۔ اگر اُن کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ہرگز نماز نہ پڑھیں گے، کیونکہ یہ لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔ تا کہ لوگ اُن سے مرعوب ہوں اور صاحبِ ایمان سمجھیں۔ اس ضمن میں سورۂ ماعون میں بہت سخت آیات نازل ہوئی ہیں:

﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ﴾(الماعون : ٦،٥)

''(جہنم میں جانے والے وہ ہیں) جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں۔ وہ لوگ جو دکھاوا کرتے ہیں۔''

اس مقام پر بھی نماز میں ریاکاری کا ذکر آیا کہ اُن کے دل نماز نہیں پڑھنا چاہتے مگر دکھاوے کے لیے کچھ نہ کچھ عمل کر لیتے ہیں۔ البتہ اُن کی عبادات کے پیچھے اللہ کی محبت کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا۔

ابن ماجہ میں حدیث مبارکہ ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ یَسِیرَ الرِّیَاءِ شِرْكٌ)) [1]

''بے شک تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے۔''

مسند احمد میں حدیث مبارکہ ہے:

((مَنْ صَلّٰى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ)) [2]

''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی وہ تو شرک کر چکا، اور جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا وہ شرک کر چکا اور جس نے دکھاوے کی خیرات دی، دکھاوے کا صدقہ کیا، وہ تو شرک کر چکا۔''

اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا

(١) سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب مَنْ تُرْجَى لَهُ السَّلَامَةُ مِنَ الْفِتَنِ

(٢) مسند أحمد، مسند الشاميين، حديث شداد بن اوسؓ

الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ)) (۱)

''(اے مسلمانو!) مجھے تمہارے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ شرک اصغر ہے۔لوگوں نے دریافت کیا شرک اصغر کیا ہوتا ہے، یا اللہ کے رسول ﷺ آپ نے فرمایا ''ریا کرنا'' یعنی دکھاوا کرنا۔

سُمعہ:

اب یہ لفظ ''سمعہ'' اس لفظ کو اچھی طرح پہچان لیجیے۔اس میں انسان کی نیت، اسکا ارادہ، اس کا مطلوب، اُس کی چاہت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں اس کی شہرت ہو۔ تا کہ اُس کو ذاتی بڑائی (celebrity status) اور اہمیت مل سکے، لوگ اس کو پہچاننے لگیں، لوگوں میں اُس کا ذکر ہو، یعنی اپنی ذاتی عظمت کے چرچے سننے کا شوق ہوتا ہے اور ذاتی تعریف کی طلب ہوتی ہے۔ وہ تمام اعمال بس یہی سننے کو کرتا ہے کہ اس شخص کا تو بڑا چرچا ہے، ہر محفل میں اس کا ذکر ہوتا ہے، اس کو کون نہیں جانتا وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک ریا کاری کا تعلق ہے، اس میں لوگ ہر کام دوسروں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ ان کی نیت اور مطلوب یہ بات ہوتی ہے کہ لوگ اِن کو عبادت کرتے ہوئے دیکھیں، ان سے مرعوب ہوں اور ان کو متقی اور پارسا سمجھیں اور انکے گرویدہ ہو جائیں۔یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی عبادت کا، اپنی نیکیوں کا اور دین کے راستے میں جو بھی محنت کی ہوتی ہے اس کا نقد صلہ دنیا میں چاہتے ہیں۔ان کا ارادہ و نیت محض دنیا کی طلب ہوتا ہے۔اس بارے میں بخاری اور مسلم میں حدیث مبارکہ موجود ہے۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ)) (۲)

''جو سنانے کے لئے کام کرے گا، اللہ اس کو سنوا دے گا۔''

---

(۱) مسند أحمد، مسند الانصار، حديث محمود بن لبيدؓ

(۲) بخاری، كتاب الرقاق، باب الرياء و السمعة

یعنی جس کو اپنی تعریف سننے کا شوق ہوگا، اللہ اس کا شوق پورا کردے گا، خوب واہ واہ ہوگی۔ اور جو دکھاوے کے لئے کام کریگا، اللہ اُسکے اعمال دنیا پر ظاہر کردے گا، اُس کی یہ تمنا، یہ خواہش، یہ طلب پوری کردے گا۔ لیکن پھر سوچ لیں کہ آخرت میں انکا کیا انجام ہوگا۔ اگر سب کچھ یہاں لوگوں میں لٹا دیا، لوگوں کی تعریف سمیٹنے میں خرچ کردیا تو اللہ کے ہاں فروخت کرنے کو کچھ نہ بچے گا، تہی دست و تہی دامن ہی ہوگا۔ یہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص نیک اعمال محض شہرت کی خاطر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دیدے گا۔

ریاکاری کی نشانیاں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ریاکار کی تین نمایاں نشانیاں ہوتی ہیں۔ (Three prominent characteristics) ہوتی ہیں: (1) تنہائی میں سست اور لوگوں کے درمیان چست رہتا ہے۔ مثلاً جب خلوت میں ہوتا ہے تو نماز پڑھنے کا دل نہیں چاہتا، بلکہ پڑھتا ہی نہیں لیکن جب لوگوں میں ہوتا ہے تو عبادت میں خوب تیزی دکھائے گا۔ (2) لوگوں سے مسکرا کر ملتا ہے۔ تاکہ لوگ اُسکی وجاہت سے متاثر ہوں، جب لوگ اُس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اس کی دلی تمنا پوری ہورہی ہوتی ہے اس لئے بہت خوش ہوتا ہے۔ (3) تیسری پہچان یہ ہے کہ اپنی تعریف سن کر زیادہ عمل کرتا ہے۔ اگر وہ اپنی تعریف سنے، کوئی واہ واہ کرے تو زیادہ عمل کرتا ہے، یا تنقید سن کر عمل کم کردیتا ہے۔ مثلاً کسی نے کہا آپ حجاب پہن کر بہت پیاری (graceful) لگتی ہیں تو پہننا شروع کردیا اور اگر کسی نے کہہ دیا کہ آپ حجاب پہن کر بالکل مائی لگتی ہیں، عمر زیادہ لگتی ہے تو اُتار پھینکا۔ ان مثالوں کو، ان چیزوں کو خود پر اطلاق (relate) کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح اگر کسی نے ہمارے قرآن پڑھنے پڑھانے کی تعریف کی تو جوش وخروش سے مزید پڑھنا پڑھانا شروع کردیا۔ اور اگر کسی نے کہہ دیا کہ تم وقت (time) ضائع کررہے ہو تو بددل ہو کر چھوڑ دیا۔ یہ ریاکار کی علامات ہیں۔

یا پھر کسی قرآن کے شاگرد نے ترجمہ یاد کیا، نمبر بہت اچھے آئے تو خوب شوق سے اگلے امتحان (test) کی تیاریاں شروع کردیں اور اگر فیل ہوگئے یا خراب نمبر آئے تو دل ہار دیا، سب چھوڑ کر

بیٹھ گئے۔ یہ علامات اُس شخص کی ہیں جو دوسروں کو دکھانے کیلئے عمل کرتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ جو دوسروں کی تعریف وتنقید کی بنیاد پر فیصلہ کرے وہ پھر اللہ کی خاطر تو کام نہیں کر رہا۔ وہ تو اپنے نفس کی خاطر، اپنی تعریف سننے آیا ہے۔ جب تک تعریفیں ہوتی رہیں گی اللہ کے لئے کام کرتا رہے گا۔ جب تنقید ہوگی، حالات ناگوار ہوں گے، وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

﴿يَنقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ (البقرة:۱٤۳)

''اپنی ایڑھیوں پر گھوم جائے گا۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ بیچ محفل میں غمزدہ شکل بنا کر، گردن جھکائے بیٹھا ہے، بہت پریشان اور افسردہ چہرہ بنایا ہوا ہے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ٹیڑھی گردن والے، اس گردن کو سیدھا کر لے۔ خشوع کا مقام دل ہے نہ کہ گردن۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تربیت کا اتنا خیال رکھتے تھے ورنہ کیا ضرورت تھی کسی کو ٹوکنے کی، یہ بھی سوچ سکتے تھے کہ بُرا مان جائے گا۔ لیکن وہ استاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ اُن کی ذمہ داری تھی کہ اُمت کی اصلاح کا خیال رکھیں۔ وہ خلیفۂ وقت تھے۔ ظاہر اور باطن دونوں کی حفاظت کرنا، انہوں نے اپنی ذمہ داری سمجھا ہوا تھا۔ لہٰذا ریا کاری کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے، ایسا نہ ہو یہ چیز اس کو آخرت میں لے ڈوبے۔

ہر ریا کار اداکار ہوتا ہے۔ اداکاری (acting) کر رہا ہوتا ہے، نیک بننے کا ڈھونگ (acting) رچا رہا ہوتا ہے۔ لوگوں کے سامنے ظاہر (pretend) کرتا ہے کہ میرے دل میں بہت تقویٰ ہے۔ حالانکہ ہوتا نہیں ہے، دل اللہ کی محبت سے خالی اور مخلوق میں مشغول ہوتا ہے۔ مخلوق کی عظمت ہوتی ہے، خالق کی فکر سے خالی اور مخلوق کے ساتھ مشغول۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''جب کوئی ریا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ دیکھو میرا یہ بندہ کس طرح میرا ہی مذاق اڑا رہا ہے۔'' تو ریا کاری انتہائی خوفناک چیز ہے۔ اس سے حتیٰ الامکان بچنے کی ضرورت ہے۔

ریا کاری کے مختلف انداز:

مختلف طریقوں سے لوگ ریا کاری کرتے ہیں۔ کبھی جسم سے اظہار کرتے ہیں، کبھی لباس سے، کبھی گفتگو سے۔ جسم سے ریا کاری کا اظہار دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک جھوٹی ریا کاری اور دوسری محض ریا کاری۔ مثال کے طور پر رمضان ہے روزہ نہیں رکھا لیکن لوگوں کے سامنے شکل ایسی بنائی جیسے روزے سے ہیں۔ یہ ریا کاری ہے اور جھوٹ بھی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نفلی روزہ رکھا اور شکل صورت ایسی بنائی کہ دیکھنے والا سمجھ جائے کہ یہ شخص روزے سے ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کیمیائے سعادت'' میں تفصیل کے ساتھ ریا کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا ہونٹوں کو اتنا رگڑنا کہ اُن پر پپڑیاں جم جائیں، ہونٹ خشک ہو جائیں، کچھ کہنے کی ضرورت نہ پیش آئے، خود ہی لوگ سمجھ جائیں کہ ان کا روزہ ہے۔ یا بیٹھے بیٹھے اپنے اوپر غنودگی طاری کرنا، تا کہ سب سمجھیں کہ بڑے شب بیداری کرنے والے ہیں۔ راتوں کو جاگتے ہیں، تہجد میں اُٹھتے ہیں تبھی تو نیند کے جھونکے آرہے ہیں۔ یہ جسم کی ریا کاری ہے۔

خرچ کرنے میں ریا کاری:

خرچ کرنے میں ریا کاری یہ ہے کہ اللہ کے نام پر جو دیں گے دکھا کر دیں گے۔ چیک (cheque) دیا تو سب کے سامنے دیا اور میڈیا کو بھی بلا لیا تا کہ تصویریں چھپ جائیں یا براہِ راست (live coverage) چینل پر آجائے۔ ایسی تصویریں ہم روز اخباروں اور TV پر دیکھتے رہتے ہیں۔ یتیم خانے میں، ہسپتال میں یا اسکول میں عطیہ (donation) دیا تو وہاں اپنے نام کی تختی (plate) ضرور لگوائی تا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ فلاں صاحب نے اتنا عطیہ (donation) دیا ہے۔ ان تمام نیک کاموں کے پیچھے اگر دکھاوے کا جذبہ کارفرما ہے تو پھر یہ ریا کاری ہے۔ البتہ اگر کسی کی محبت میں، قلبی تعلق کی وجہ سے، اُس کی تعظیم میں نام رکھ رہے ہیں، ریا کاری مقصود نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اپنے نام پر کہیں اسکول یا ہسپتال یا ڈسپنسری وغیرہ کھلوانا کہ پتہ چلے کہ میں نے یہ کام کیا ہے میرا نام مشہور ہو، یہ ریا کاری ہے۔

لباس میں ریا کاری:

لباس میں ریا کاری یہ ہے کہ وسعت کے باوجود انتہائی حقیر اور معمولی لباس پہننا کہ لوگ سمجھیں کہ بہت اللہ والے ہیں، زاہد ہیں، پرہیز گار ہیں، دنیا سے بے نیاز ہیں۔اس معاملے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جس باریک بینی سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو اس کا اجر دے۔وہ لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ ہمارے زمانے میں ایسے ہیں کہ ان کا آنا جانا عوام میں بھی ہے اور بادشاہوں میں بھی ہے۔اب وہ بادشاہوں کی نظروں میں بھی جچنا چاہتے ہیں اور عوام میں بھی اپنے زہد کا بھرم رکھنا چاہتے ہیں۔تو کیسا لباس پہنیں؟ اگر اعلیٰ لباس پہنیں گے تو عوام کی نظروں سے گریں گے اور اگر معمولی لباس پہنیں گے تو بادشاہوں کی نظروں میں باحیثیت نہیں رہ پائیں گے۔تو وہ قیمتی مگر سادہ لباس پہنتے ہیں کہ عوام جب دیکھیں تو پہچان نہ پائیں کہ کتنا قیمتی ہے، ظاہری سادگی سے دھوکہ کھا جائیں اور بادشاہ اس لباس کی قدر پہچان جائیں اور جان لیں کہ لباس بہت قیمتی ہے۔اس طرح یہ ریا کار لوگ دونوں طبقات کے منظورِ نظر رہتے ہیں، محل میں بھی قابلِ قبول اور عوام الناس بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔غرباء ان کی سادگی دیکھ کر زاہد سمجھتے ہیں اور امراء لباس دیکھ کر اپنی ٹکر اور پلّے کے سمجھتے ہیں۔یہ ہے لباس کی ریا کاری۔

گناہوں پر افسوس کرنے میں ریا کاری:

باتوں میں ریا کاری کرنا بھی ایک مہلک کام ہے۔دل دکھنے کی وجہ سے، تقویٰ کی وجہ سے نہیں بلکہ اداکاری کرتے ہوئے، مصنوعی طور پر (artificially) گناہوں پر افسوس کا اظہار کرنا، واویلا مچانا، لوگوں کے بیچ میں بیٹھ کر اپنے آپ کو حقیر، فقیر، خطا کار اور گنہگار کہنا، اپنے آپ کو جہنمی کہنا، تاکہ لوگ کہیں کہ نہیں آپ تو بہت نیک ہیں، لوگوں سے اپنی تعریف کروانا۔اگر یہ واقعی اپنے آپ کو حقیر، گنہگار، خطا کار سمجھتا تو لوگوں کے سامنے کبھی بھی اعلانیہ نہ کہتا، چھپا کر رکھتا۔دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر کوئی واقعتاً گنہگار اس طرح کی ریا کاری کرے اور لوگ اُسے کہہ دیں کہ واقعی آپ بڑے گنہگار ہیں، ہمیں آپ کی آخرت کی بڑی فکر ہے اور ہمیں بھی خطرہ ہے کہ آپ جہنم میں نہ چلے جائیں تو وہ بُرا مان جائے گا۔وہ تو یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو خطا کار، گنہگار کہتا رہوں اور لوگ مجھے نیک، پاکباز اور

پارسا کہتے رہیں۔

محفل اور تنہائی کی نماز وغیرہ:

محفل میں نماز پڑھے گا، تو بہت ٹھہر ٹھہر کر، طویل قیام، لمبے لمبے سجدے، لمبے رکوع کرے گا۔ محفل میں قرآن پڑھے گا تو بہترین تجوید کے ساتھ، مخارج بھی درست، سارے اصول بھی درست، اس لئے کہ لوگ عابد سمجھیں اور تنہائی میں نماز پڑھتا ہے تو ٹکریں مارتا ہے، اُٹھک بیٹھک کرتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ایک حدیث صلی اللہ علیہ وسلم ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ہم آپس میں مسیح دجال کا تذکرہ کر رہے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کہا کہ:

((أَلَا أُخبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِندِي مِنَ المَسِيحِ الدَّجَّالِ قَالَ قُلْنَا بَلَى فَقَالَ الشِّرْكُ الخَفِيُّ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ يُصَلِّي فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرَى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ))(۱)

''میں تمہیں وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ہم نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتلایئے وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا ''وہ شرک خفی ہے، جس کی مثال یہ ہے کہ آدمی نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہو، پھر اپنی نماز کو اس لئے لمبا کر دے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔''

فرض کریں ایک شخص عام طور پر ۵ سیکنڈ کا سجدہ کرتا ہے لیکن اُس نے محسوس کیا کوئی مجھے دیکھ رہا ہے تو اب اُس نے ۵ سیکنڈ کے بجائے ۸ سیکنڈ کا سجدہ کیا۔ تو جو ۳ سیکنڈ اس نے زیادہ سجدہ میں لگائے وہ یقیناً اللہ کے لئے نہیں تھے۔ لہٰذا سجدے کے اندر اللہ کے ساتھ کوئی اور شریک ہو گیا۔ یہی تو شرک ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شامل کر لیا جائے اور اللہ کے سوا کسی اور کو بھی دِکھانا مقصود ہو، پھر شرک ریاکاری کے ذریعے بھی آجاتا ہے۔

(۱) سنن ابن ماجه، كتاب الزُّهد، باب الرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ

ریا کی ایک اور علامت:

ریا کار کی ایک اور علامت یہ ہوتی ہے کہ اپنے عیوب پر شرمندہ نہیں ہوتا، اپنے گناہ پر ندامت محسوس نہیں کرتا، نادم نہیں ہوتا۔ نہ اُس کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے، نہ اصلاح کرتا ہے بلکہ اس کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ دیکھئے! گناہ چھپانے کی تو ہمیں ترغیب دی گئی ہے، حکم ہے کہ اپنے گناہوں کا اعلان مت کرو، چرچا مت کرو۔ اگر کوئی اس لیے اپنے گناہ چھپاتا ہے تو یہ ریا کاری نہ ہوگی۔ لیکن ساتھ ساتھ وہ اللہ کے سامنے بھی اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ ہے۔ ایسے شخص کے گناہ چھپانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی ہمت افزائی نہ ہو، وہ بھی اس کو اختیار نہ کرلیں یا لوگ مجھے بُرا نہ سمجھیں۔ اپنے گناہوں کو تو وہ یقیناً بُرا سمجھتا ہے، اصلاح بھی کرتا ہے، عیب کو دُور کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے، دوبارہ دہرانے سے توبہ کرتا ہے اور اللہ سے استغفار کرتا ہے۔ لیکن ریا کار نہ استغفار کرتا ہے اور نہ گناہ کو بُرا سمجھ رہا ہوتا ہے، اپنے فعل کو گناہ گردانتا ہی نہیں چہ جائیکہ اللہ کے سامنے شرمندہ اور نادم ہوتا۔ یہ صرف اس لئے چھپاتا ہے کہ میری نیکی کا بھرم نہ کھل جائے اور میں لوگوں کی نظروں سے نہ گر جاؤں۔ وہ اس لئے اپنے عیب لوگوں سے چھپانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

ریا کے سہارے کوئی عمل قبول نہیں:

ریا کاری کے ساتھ کوئی نیکی، کوئی عمل، کوئی اچھائی، اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ریا کار اللہ کو دھوکا دے رہا ہوتا ہے۔ وہ کہتا تو ہے کہ اللہ کے لئے کر رہا ہوں لیکن اصل میں اپنی شہرت کے لئے نیکیاں کر رہا ہوتا ہے۔ ریا کار کی مثال کسی ایسے تاجر کی سی ہے جو بیک وقت دو لوگوں کو اپنی واحد شے بیچ دے۔ ایک گاہک کو متاع دے کر اُس سے قیمت وصول کرلے اور اگلے گاہک سے بھی اُسی مال کے عوض قیمت وصول کرنا چاہے۔ تو بکا ہوا مال تو کوئی نہیں خریدتا یہ تو دوسرے خریدار کو اُس نے دھوکہ دے دیا۔ تو ریا کار ایسا ہی ہے کہ یہ لوگوں کے ہاتھ اپنی تعریف اور شہرت کی خاطر، سب نیکیاں بیچ دیتا ہے اور پھر اللہ سے بھی امید رکھتا ہے کہ اللہ بھی میرا یہ بکا ہوا مال خرید لے اور مجھے جنت دیدے۔ لیکن اللہ تو ایسا مال نہیں قبول کرتا۔ ہم کسی دکان میں جائیں اور دکان میں کسی سوٹ پر ناقابلِ خرید (sold tag) کی

پر چی لگی ہوتو ہم تو اس چیز کونہیں خریدتے۔تو یہ ریاکار اپنے سب اعمال کا سودا لوگوں سے کر چکا ہوتا ہے تو اللہ کے ہاں اس کے کسی عمل کا کوئی اجر نہیں۔

حضرت ابوسعید بن فدالہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ:

((إِذَا جَمَعَ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ نَادَى مُنَادٍ مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلَّهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ))(۱)

''جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں سب انسانوں کو جمع کرے گا تو ایک مُنادی یہ اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں، اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اس کا ثواب اس دوسرے سے جا کر لے لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے۔''

مسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں یہ مضمون آتا ہے کہ:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ)) (۲)

''اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور سے کچھ حاصل کرنے کی جو خواہش رکھے تو اللہ اس کو اور اس کے شرک دونوں کو چھوڑ دیتا ہے۔''

ترمذی کی ایک اور حدیث مبارکہ ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جُبِّ الْحَزَنِ قَالُوا

---

(۱)سنن الترمذی، كِتَاب تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ ،بَاب وَمِنْ سُورَةِ الْكَهْفِ

(۲)مسلم ، كتاب الزهد والرقائق،من اشرك في عمله غير الله

يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحَزَنِ قَالَ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَنْ يَدْخُلُهُ قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَائُونَ بِأَعْمَالِهِمْ))(۱)

تم لوگ غم کی خندق سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا ''یارسول اللہ غم کی خندق کیا چیز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں ایک وادی یا خندق ہے جس کا حال اتنا بُرا ہے کہ خود جہنم دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس میں کون لوگ جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' وہ عبادت گزار یا وہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کے لئے یہ اعمال کرتے تھے۔''

تو یہ غیر شعوری طور پر جو ریا آجاتی ہے اس سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ تلاش کریں۔ شعوری طور پر تو خیر انسان پہچان لے گا کہ ریاکاری ہو رہی ہے اپنی اصلاح کر لے گا، لیکن اگر اس کو شعور ہی نہیں کہ یہ کام ریاکاری میں شامل ہے یا میں یہ کر کے اور یہ کہہ کر ریاکاری کا مرتکب ہو رہا ہوں یا ہو رہی ہوں تو اللہ کے علاوہ اور کون ہمیں بچائے گا۔ ایک دُعا یہ بھی ہے:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ))(۲)

''اے اللہ میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں۔ پس ایک لمحے کے لئے بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر اور میرے سارے کام تو سنوار دے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔''

تو انسان اللہ سے اپنا تعلق جوڑے، اللہ سے قریب ہو، اپنے اندر اللہ کی محبت پیدا کرے۔

ایک اور دعا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مانگا کرتے تھے۔

((اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَآءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ

---

(۱) سنن الترمذی، کِتَاب الزُّهْدِ، بَاب مَا جَاءَ فِي الرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ

(۲) ابو داؤد، کتاب الأدب، باب ما یقول اذا اصبح

وَعَيۡنِیۡ مِنَ الۡخِیَانَةِ فَاِنَّكَ تَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡیُنِ وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ))[۱]

''اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا و نمود سے، میری زبان کو جھوٹ سے، اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک کر دے۔ بے شک تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کی چھپی باتوں کو جانتا ہے۔''

ریا کا تعلق نیت سے ہے:

سُمعہ و ریا کا تعلق نیت سے ہے، دکھاوا (display) کرنے کی نیت ہو، اکڑفوں (flaunt) کرنے کی نیت ہو اور پھر کوئی کام کیا جائے تو پھر وہ ریا کاری ہوگی۔ اب اگر کوئی شخص دوسروں کو ترغیب (encourage) دینے کے لئے کوئی اچھا کام ظاہراً کرتا ہے تو یہ ریا کاری نہ ہوگی، کہ لوگوں کی بھی ہمت افزائی ہو اور وہ اس آدمی سے اثر (inspiration) لیں اور اچھے کاموں میں لگ جائیں۔ یہ ایک اچھا نمونہ پیش کرنا ہوگا۔ پھر سکھانے کے لئے اگر کوئی عمل کرتا ہے کہ لوگ طریقہ سیکھ جائیں، (proper) طریقہ سیکھ جائیں۔ یہ بھی ریا میں نہیں آئے گا۔

پھر دشمن پر رُعب ڈالنے کے لئے کوئی دکھاوے کا سا انداز اختیار کرتا ہے تو یہ بھی ریا نہ ہوگی بلکہ یہ دشمن کے خلاف ایک چال شمار کی جائے گی۔ اُس پر نفسیاتی دباؤ شمار کیا جائے گا، تاکہ اس کے دل کے اندر مسلمانوں کا رُعب پیدا ہو۔ یہ اُس کی عبادت ہوگی۔ ریا کاری نہ ہوگی۔ حضرت ابو دُجانہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ غزوۂ اُحد میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنی تلوار عطا فرمائی تو انہوں نے تلوار ہاتھ میں لی، سر پر لال رومال باندھا اور تلوار لے کر وہ اکڑ کر چلنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو یہ چال پسند نہیں ہے، مگر اِس موقع پر پسند ہے اس لئے کہ ان کا رعب دشمن پر پڑ رہا ہے۔''

سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۰ میں آتا ہے:

﴿وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والأفعال ، کتاب الدعا، الفصل السادس جوامع الأدعیة

وَعَدُوَّكُمْ﴾

''کہ تم جتنی استطاعت رکھتے ہو، تم جنگی ساز وسامان تیار کر کے رکھو، تاکہ اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن کے دل میں تمہارا رُعب پیدا ہو جائے۔''

تو اپنی چیزوں کی نمائش کرنا، دکھاوا کرنا، کہ دشمن ڈر جائے دشمن اسلام سے مرعوب ہو جائے۔ یہ جائز ہے یہ دکھاوا نہ ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ ہوا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا اور شہرت کی طلب کے بارے اتنا کچھ ارشاد فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم بہت ڈر گئے۔ پھر یہ ہونے لگا کہ اگر کسی کے نیک عمل کے بارے میں لوگوں کو پتہ چل جاتا تھا اور کسی کی نیکی کا چرچا ہونے لگتا تھا اور لوگ اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس شخص سے محبت کرنے لگتے تو وہ ڈر جاتا تھا کہ شاید ریا کاری ہوگئی ہے اور اب اللہ کے ہاں اس کا یہ عمل قبول نہ ہوگا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: اس شخص کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے جو اچھا عمل کرتا ہو اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''یہ تو مومن کے لئے دنیا میں نقد بشارت ہے۔'' یعنی پیشین گوئی ہے کہ اللہ نے اس کا یہ عمل قبول فرمالیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے دل میں خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا پھر پریشانی ہوئی کہ کہیں ریا تو نہیں ہوگئی۔ پھر انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ریا نہیں ہے تم کو اس صورت میں تنہائی میں عبادت کا ثواب بھی ملے گا اور لوگوں کے سامنے عبادت کا اجر بھی ملے گا۔

یہ ریا کیوں نہ ہوئی؟ فرق کس چیز کا ہے؟ ارادے کا، تمنا اور چاہت کا فرق ہے، نیت کا فرق ہے، خود نہیں چاہا، خود ہی اللہ کی طرف سے ایسی صورتحال پیدا ہوگئی تو وہ پھر ریا میں شمار نہ ہوگی۔

ریا کا علاج:

اب اگر کسی کو محسوس ہوتا ہے کہ میرے اندر ریا ہے تو اس کا علاج کیا ہے؟ علاج یہ ہے کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اپنے بارے میں ایسی باتیں نہ کرے۔ مثلاً میں وقت پر پوری پانچ نمازیں پڑھتا ہوں، روزانہ قرآن کی تلاوت کرتا ہوں، تفسیر بھی زیرِ مطالعہ رہتی ہے، تہجد بھی پڑھتا ہوں، نفلی روزے بھی رکھتا ہوں۔ لیکن اگر کسی کو شوق دلانے کی غرض سے ذکر کیا یا کسی کو ترغیب دینے کی نیت ہے یا کسی کو اللہ کی عبادت پر آمادہ کرنا ہو تو ذکر کرنا برائی نہیں۔ ہاں اپنی نیت کو ٹٹولتے رہیں، سورۂ اخلاص ضرور پڑھیں اور اس کے معنی پر غور کریں اور تنہائیوں کو عبادت سے سجائیں۔ خوبصورت نماز پڑھیں، آہستہ آہستہ، ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی مختلف سورتیں یاد کرنے کی کوشش کرتے رہیں تاکہ نمازوں میں زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کی جاسکے اور نیک اعمال اختیار کرے۔ چھوٹی سی چھوٹی نیکی کا بھی موقع ضائع نہ ہو، چاہے چڑیوں کو سوکھی روٹی ہی کیوں نہ ڈالیں، اللہ کی خاطر ہونا چاہیے۔ نیت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو۔ خواہ راستے سے پتھر ہی ہٹانا کیوں نہ ہو یا کوئی خاردار جھاڑی ہی ہٹانا ہو۔ نیت صرف اللہ کی رضا ہو! اللہ کی خاطر اور اللہ کی محبت میں! پھر اگر لوگوں کی تعریف سننے کو دل چاہے تو فوراً اللہ کو یاد کرے۔ فوراً اپنی توجہ اللہ کی طرف کر لے، یہ دکھاوا ایک لت (addiction) ہے۔ اس سے رفتہ رفتہ نجات ملے گی۔ اگر کبھی دل چاہے تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر لے۔

انسان کی نفسیات ہے کہ وہ جب کوئی اچھا کام کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ سب کو پتہ چلے، میری تعریف ہو، انسان خود نُمائی پسند (exhibitionist) ہے، لوگوں کی نظروں کا متلاشی رہتا ہے کہ وہ دیکھیں اور سراہیں (appreciate)، وہ اپنی خوبیوں کا مظاہرہ (display) کرنا چاہتا ہے۔ انسان کو اپنی تعریف بہت اچھی لگتی ہے، یہ رجحان (tendency) انسان میں پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طلب کو صحیح رُخ پر ڈالنے کا طریقہ ہمیں بتلا دیا کہ یہ جو نمائش کا عنصر تمہارے اندر پایا جاتا ہے، اس کا صحیح رخ یہ ہے کہ قیامت کے دن سب مخلوق کے سامنے انسانوں کے اعمال دکھائے (exhibit) جائیں گے وہاں کے لیے اعمال کی تیاری کی جائے۔ دنیا میں جب کوئی چیز نمائش

(exhibition) کے لئے بنائی جاتی ہے تو اس کو آخری شو (final show) سے پہلے بالکل خفیہ رکھا جاتا ہے۔تو انسان بھی اپنے اعمال دنیا میں چھپا کر رکھے تا کہ قیامت کے دن اللہ اُن کو تمام انسانوں کے سامنے ظاہر (display) کرے۔قرآن میں آتا ہے:

﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ (التکویر: ۱۰)

''جس دن صحیفے نشر کردیے جائیں گے۔''

سورۃ النجم میں آتا ہے:

﴿وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى﴾ (النجم: ٤٠)

''اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔''

تو وہاں اس دن سب کچھ دکھا دیا جائے گا، سنا دیا جائے گا۔ دفتر کے دفتر کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔ اللہ بصیر ہے، وہ خوب دیکھ رہا ہے تو اللہ کو دکھانے کیلئے کرو۔ وہ قدر دان بھی ہے اور اجر دینے والا بھی۔ اللہ سمیع ہے، سب سن رہا ہے، اللہ کو سناؤ، اسی سے صلہ چاہو، اس سے تعریف پانے کے لئے کام کرو۔اس طرح ہم ریا کاری پر ان شاء اللہ قابو پالیں گے۔

اب ایک شخص ہے جو تنہائی میں نماز پڑھتا ہے تو تین کے بجائے پانچ مرتبہ تسبیح پڑھتا ہے، تو رکوع تو لمبا ہوگا اور تین کے بجائے پانچ دفعہ سبحان ربی اعلیٰ کہتا ہے تو سجدہ بھی لمبا ہوگا۔ یا مثال کے طور پر وہ عصر کی سنتیں ضرور پڑھتا ہے، اب اگر وہ کسی مجلس یا محفل میں ہے تو وہاں اس کو کیا کرنا چاہیے؟ میری ناقص رائے میں اس کو وہاں بھی یہ عمل جاری رکھنا چاہیے۔ کیونکہ تنہائی میں اور محفل میں دونوں جگہ وہ اللہ ہی کے لئے پڑھے گا۔ یہ صرف دکھانے کے لیے نہیں ہوگا، یہ اس کا معمول ہے۔

ریا کاری کا خوف:

مجلس میں شیطان اس کے دل میں یہ خیال ڈالے گا کہ اگر لمبی نماز پڑھی تو لوگ ریا سمجھیں گے، کہیں گے دکھاوے کے لئے لمبی لمبی نمازیں پڑھتا ہے تو بہتر ہے کہ مختصر نماز کر دو اور اس طرح اس کی نیکی میں کمی کروائے گا اور ریا کے خوف کی وجہ سے نماز کو مختصر کرتا ہے، ایک اچھا کام چھوڑ دیتا ہے اس کو ریا

کا خوف کہتے ہیں۔ یہ ریا سے بھی بدتر چیز ہے۔ کیونکہ ریا کاری کرنے والا کم از کم اچھا کام تو کرتا ہے، لوگوں کو دکھانے کے لئے ہی سہی۔ جس کے اندر خوف الریا ہے وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونے کے لیے اچھا کام چھوڑ دیتا ہے۔ تو دونوں کی جڑ میں بیماری مشترک (common) ہے یعنی لوگوں کے دیکھنے کا احساس، دونوں کے اندر بیماری ریا کاری ہے۔ سو کرنے کا کام یہ ہے کہ انسان لوگوں کی نظروں سے اپنے آپ کو نہ جانچے۔ جیسے وہ تنہائی میں کام کرتا ہے، سب کے سامنے بھی اُسی طرح کرے۔ خلوت اور جلوت میں اپنے عمل کو یکساں رکھنے کی کوشش کرتا رہے تو عمل بہتر ہو جائے گا۔ کہیں یہ نہ ہو کہ ریا کاری کے خوف سے اچھے اعمال چھوڑ دے اور شیطان کامیاب ہو جائے۔ شیطان کا ہتھکنڈا کارگر اور اس کا وار غالب آ جائے۔ ہاں اپنی نیت کا تزکیہ ضرور کرتا رہے کہ نیت کے اندر کوئی بگاڑ یا دکھاوا نہ ہو۔ انسان اس کا فیصلہ (asses) خود کر سکتا ہے کہ تنہائی میں ہمارا رویہ کیا ہے اور محفل میں کیا ہے؟ کہیں ہم دوغلے پن کا شکار تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ریا سے پاک رکھے۔

سرکشی

''سرکشی'' کا مفہوم ہے بغیر کسی وجہ کے لوگوں کے ساتھ زیادتی کرنا، بلاوجہ بُرا سلوک کرنا۔

سرکشی کے لیے قرآن حکیم نے ''بغی'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَآأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَى أَنفُسِكُمْ﴾ (یونس: ۲۳)

''اے لوگوں تمہاری بغی تمہارے اپنے خلاف جا پڑے گی۔''

اسی طرح سورۃ القصص میں یہ مضمون آتا ہے:

﴿ إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ ﴾ (القصص: ۷۶)

''بے شک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا مگر اس نے ان کے خلاف بغاوت کی۔''

سورۂ نحل میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ (النحل: ۹۰)

''اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تم لوگوں کو فحش کاموں سے، اور منکر سے، اور بغی سے۔''

اس سرکشی یا بغاوت کے بہت سے درجے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ بڑے گناہ سے لیکر کمتر درجے کے گناہ تک سب کے سب سرکشی کے زمرے (category) میں آتے ہیں۔ ایک قسم کی سرکشی وہ ہے جو کہ صریح گناہ ہے یعنی دوسروں پر ظلم اور زیادتی۔ جو لوگ اس قسم کی سرکشی کا شکار ہوتے ہیں ان کی شخصیت بالکل مسخ ہو کر رہ جاتی ہے، ان کو معاشرے میں برا سمجھا جاتا ہے۔

کمتر سرکشی:

سرکشی کا کمترین درجہ جن لوگوں میں پایا جاتا ہے انھیں معاشرے میں برا نہیں سمجھا جاتا (نہ وہ واقعتاً برے ہوتے ہیں) لیکن ان میں بغاوت ہوتی ہے جو چھوٹی چھوٹی باتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ ویسے تو دوسروں کے ساتھ اچھے رہتے ہیں، ان کا خیال بھی رکھتے ہیں، ان کے ساتھ اچھے معاملات بھی کر رہے ہوتے ہیں لیکن کہیں کہیں — جیسے مشین کی سوئی جگہ جگہ دھاگہ کھینچ لیتی ہے اور سلائی خراب نظر

آتی ہے اسی طرح کچھ لوگ ٹھیک ٹھاک چلتے چلتے اچانک اپنے ایک جملے سے یا کسی عمل سے ایک دم اذیت پہنچا دیتے ہیں، جیسے اچھا بھلا کھانا کھاتے کھاتے اچانک دانتوں تلے ہڈی آ جائے تو ایک دم انسان کے اعصاب جھنجھلا جاتے ہیں، بالکل اسی طرح سرکشی کرنے والے اچھا بھلا معاملہ کرتے کرتے اچانک کوئی ناگوار جملہ یا غیر مناسب عمل کر دیتے ہیں جس سے سامنے والے کے اعصاب جھنجھلا کر رہ جاتے ہیں۔

بڑی سرکشی:

یہاں تک بے بنیاد باتوں میں بغاوت (groundless hatred) کا تعلق ہے، جیسے کہ قارون کے متعلق ذکر کیا گیا کہ اُسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نفرت تھی اور پھر وہ پوری قوم سے ہی بغاوت پر اتر آیا، اپنی قوم کے ساتھ ہی زیادتی کرنے پر آمادہ ہو گیا، اپنی قوم کے خلاف اس نے سازشیں شروع کر دیں۔ تو یہ اس نے بہت بڑی بغاوت کا ارتکاب کیا، بعض دفعہ بغاوت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ہم ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارا مخالف دوسری قوم سے، محض اس ایک وجہ سے ہم ان کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ہیں جنھوں نے قومیت کے نام پر ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کو قتل کروا دیا، بے قصوروں کو صرف اس لئے مروا دیا کہ وہ کسی اور قوم سے تعلق رکھتے تھے، اس کی پچھلی صدی میں سب سے بڑی مثال ہٹلر (Hitler) ہے، اُسے یہودی قوم سے نفرت تھی۔ صرف اس لیے ان گنت انسانوں کو مروا دیا کہ وہ یہودی تھے، جس کو آج نسل کشی (genocide) کہتے ہیں۔ یا پھر بوسنیا (Bosnia) میں رہنے والے مسلمانوں کا صرف اس لئے قتل عام کیا گیا کہ وہ مسلمان تھے، یہ یورپ کے کافروں نے کیا۔ بس یہ بغی ہے کہ بلا وجہ، کوئی قصور نہیں، کوئی جرم نہیں، کوئی دشمنی یا جھگڑا نہیں بس صرف اس بنا پر کہ یہ دوسرے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، الگ قوم ہے۔ جیسے کہ مسلمانوں میں شیعہ سنی کی تفریق ہے جو گہری سے گہری ہوتی جا رہی ہے، مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں۔ اس کی بنیاد صرف اور صرف بغاوت ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کو صرف اس لئے مار رہے ہیں کہ شیعہ سنی الگ فرقے ہیں، عقائد الگ ہیں، اس طرح مسلمان ہوتے ہوئے بھی سرکشی کی وجہ سے قتل و غارت گری پر

اتر آئے۔ یہ تو بہت بڑے درجے کی بغاوت ہے۔

تالمود میں قول آتا ہے کہ بغاوت بت پرستی، زنا اور قتل کے برابر ہے۔ یعنی انسان کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ ہم اس بغاوت کا شکار نہیں، ہم گھروں میں رہنے والے، پُر امن معاشرے میں رہنے والے عام انسان ہیں۔ نہ ہمارے پاس وہ طاقت ہے اور نہ اتنا اختیار ہی ہے کہ اتنے بڑے پیمانے (scale) پر تباہی اور بربادی پھیلائیں، اس طرح بے وجہ نفرت (groundless hatred) کی بنیاد پر کسی کو قتل کیا جائے یا تشدد کا نشانہ بنایا جائے یہ تو ہم الحمدللہ نہیں کرتے۔ دراصل ہم اُن لوگوں میں سے ہیں جو چھوٹی چھوٹی باتوں میں سرکشی کا شکار ہوتے ہیں۔

ماتحتوں کی سرکشی:

جن لوگوں کے اندر سرکشی موجود ہوتی ہے وہ جب ماتحت (subordinate) ہوتے ہیں تو ایک طرح سے بغاوت پر تیار رہتے ہیں، باغی ہوتے ہیں، حکّام (authority) کے ساتھ بغاوت کا جذبہ سرگرم رہتا ہے۔ جس کو انگریزی میں کہا جاتا ہے (rebel without a cause) بلاوجہ بات نہیں ماننی۔ ماتحتوں کی مختلف شکلیں اور درجے ہیں مثال کے طور پر اولاد والدین کے ماتحت ہوتی ہے، اب اگر کسی اولاد میں سرکشی کا جذبہ ہے تو والدین کے ساتھ ہر بات میں ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئیں گے، حکم نہیں ماننا بلکہ والدین کی ہر بات کے خلاف جانا ہے۔ اگر کوئی کام کرنے کا ارادہ بھی ہوگا لیکن چونکہ ماں باپ نے یہ کرنے کا حکم دیا ہے تو نہیں کرینگے کیونکہ اندر بغاوت ہے۔ والدین کے چھوٹے سے چھوٹے فیصلوں پر بھی سوال کرینگے، یہ کیوں کریں اور یہ کیوں نہ کریں؟ والدین سے ہمیشہ شاکی رہیں گے، اُن کی ساری خوبیاں نظروں سے اوجھل ہو جائینگی اور دل کے اندر شکایتیں پلتی رہینگی، خفگی (resentment) بڑھتی رہے گی، جلتے کڑھتے رہیں گے۔

اسی طرح اگر کسی بیوی میں بغاوت کے جذبات ہیں تو ہر وقت شوہر اور سسرال کے خلاف باتیں کرتی رہیگی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر شوہر کو چیلنج کیا جائیگا، معمولی معمولی باتوں میں شوہر کی نافرمانی

کریگی، خاوند کی ہر بات کے خلاف جانا، الٹ کرنا، ہر وقت ایک محاذ آرائی سی کیفیت رہے گی، شوہر اور سسرال کے خلاف ایک محاذ بنا رکھا ہوگا۔

اسکول یا کالج میں طلبہ میں بغاوت ہوگی تو اساتذہ کے خلاف یا انتظامیہ کے خلاف بغاوت (rebellious attitude) کریں گے۔ یہ قانون کیوں بنایا گیا ہے، امتحان کی یہ تاریخ کیوں مقرر کی ہے، نصاب میں یہ کیوں شامل ہے؟ یہ وہ اندازِ محاذ آرائی ہے جس کی وجہ سے ماحول اور معاشرے میں ہر وقت تصادم (conflict) کی فضا رہتی ہے۔

بغاوت کا ضرر:

بغاوت کی وجہ سے ماحول تناؤ کا شکار (tense) رہتا ہے، ہر وقت لوگوں کے اعصاب تنے رہتے ہیں۔ بغاوت کرنے والا خود بھی پریشانی (tension) میں رہتا ہے اور جس کے خلاف وہ بغاوت کر رہا ہوتا ہے اس کو بھی پریشان کر دیتا ہے، جن بیویوں میں یا بچوں میں بغاوت کا مادہ ہوتا ہے، ایسی بیویوں کے شوہر اور ایسے بچوں کے والدین بہت دُکھی رہتے ہیں۔

بغاوت کرنے والوں کا رویّہ:

ایسے لوگوں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کس بات پر اڑ جائیں گے، کوئی دلیل (logic) نہیں ہوتی، ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ردِّعمل دکھاتے ہیں۔ کسی آفس میں کام کرتے ہوں گے تو بھی رویہ ایسا ہی ہوگا کہ ہم یہ قانون، یہ بات، یہ حکم نہیں مانتے آفس کے ہر قانون اور ہر حکم پر نکتہ چینی ضرور کریں گے۔ ایسا لگتا ہے گویا ان کا مزاج ہی انتقامی ہو گیا ہے (getting back at the world in general) سب کے خلاف ان کے اندر کچھ منفی جذبات پرورش پا رہے ہوتے ہیں۔

پھر اگر یہ ماتحت نہ ہوں بلکہ ان کے پاس طاقت اور اقتدار ہے تو یہ دبانے والے (oppressors) بن جاتے ہیں، تحکم پسند (authoritarian) ہو جاتے ہیں۔ ذرا سی طاقت ہاتھ میں آجائے تو ماتحتوں کو ناحق دبایا جاتا ہے، بہت ہی اکھڑ مزاج (rude) ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے ماتحتوں کی شخصیت کچلنے لگتی ہے، ان کی شخصیتوں میں بگاڑ (distortion) آنے لگتا ہے۔ مثال

کے طور پر کسی آفس میں ایک معمولی سا افسر ہے لیکن کچھ نہ کچھ تو اس کے پاس اختیار ہوگا، اب کوئی کلرک ہے جس کا فائلوں پر اختیار ہے اور کوئی اس کے پاس کوئی فائل مانگنے آتا ہے تو اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ان فائلوں پر مختار ہوں اور یہ بندہ میرا محتاج ہے، مجھ سے کچھ مانگ رہا ہے، اس کو اپنی حیثیت (position) کا احساس ہوتا ہے تو وہ فائل ہوتے ہوئے بھی نہیں دیتا اور بہانہ کر دیتا ہے کہ ڈھونڈنی پڑے گی، اس وقت نہیں مل رہی وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح دوسروں کو پریشان دیکھ کر ان کو ستا کر اور اُداس (upset) دیکھ کر عجیب سی مسرت (satisfaction) محسوس کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن میں معمولی سی بھی سرکشی ہو اور ان کے پاس اختیار (authority) آجائے تو یہ دوسروں کو عاجز اور تنگ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایک اور مثال سے سمجھیں کچن میں کام کرنے والا خانساماں ہے یا کوئی اور ملازم ہے، وہ گھر والوں کے ساتھ، اپنے مالکوں کے ساتھ تو اچھی رہے گی یا رہے گا لیکن جو اُس سے نیچے (juniors) ہیں ڈرائیور، صفائی والی، مالی وغیرہ ان کو تنگ کریں گے، وقت پر ناشتہ، کھانا اور چائے نہیں دینگے اور ان پر حکم چلائیں گے۔ وہ بیچارے دس دس دفعہ کھانا، ناشتہ، چائے مانگیں گے مگر وہ بہانے بہانے سے ٹالتے رہیں گے اور اس طاقت (power) کا مزہ اُٹھاتے ہیں کہ دینا نہ دینا ہمارے اختیار میں ہے، کبھی جلی ہوئی روٹی دے دینگے یا ٹھنڈی چائے دے دینگے یہ سوچ سوچ کر ان کا نفس مطمئن ہوتا ہے کہ میں صاحبِ اختیار ہوں۔ اگر کسی استاد میں بغاوت کا مادّہ ہے تو ایسے استاد اپنے شاگردوں کو بے جا ڈانٹ ڈپٹ کر اور سختی کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں، معمولی سی غلطی پر کڑی اور سخت سزا دے دیتے ہیں، شاگردوں کی بے عزتی کرتے ہیں، سب کے سامنے اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں، سزائیں دیتے ہیں، نظر انداز (ignore) کرتے ہیں۔ اس طرح سے ان کو طاقت کا احساس ہوتا ہے ایسے استادوں کے زیرِ تربیت بچوں کی شخصیتوں پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب تک چھوٹے بچے کو رُلا نہیں دیتے ان کو چین نہیں آتا، چٹکیاں لینگے، نوچیں گے، چڑائیں گے اور جب بچہ تکلیف سے روتا ہے تو چھوڑ دیتے ہیں۔ شاید اندر کوئی نفسیاتی خرابی ہوتی ہے جس کا اظہار اس منفی رویے میں ہو رہا ہوتا ہے۔ یقیناً کوئی نہ کوئی احساسِ کمتری ہے جس کی وجہ سے بڑوں سے بغاوت

کر کے اور چھوٹوں پر ظلم کر کے تسکین (satisfaction) ملتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔

((مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا))[1]

''وہ ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔''

اب اگر ایسے لوگ ایک ہی ساتھ کام کر رہے ہیں، ایک ہی درجے اور حیثیت کے لوگ ہیں تو اپنے ہم درجہ ساتھیوں کے حقوق کا خیال نہیں رکھیں گے۔ ان کا جائز حصہ بھی ہتھیانے کی کوشش کریں گے کیونکہ اُن کو جھڑپ (clash) میں لطف آتا ہے۔ لوگوں کی مخالفت (contradict) کر کے اُن سے بہتر ہونے کا احساس ہوتا ہے، معمولی سی باتوں میں بھی اظہار یکجہتی نہیں کر پاتے۔ مجلس میں اگر کسی نے کہا کہ آج ٹھنڈ زیادہ ہے تو کہیں گے نہیں آج تو موسم معتدل ہے، ایک کہے گا چائے ٹھنڈی ہے تو کہیں گے نہیں یہ تو اچھی خاصی گرم ہے۔ یہ رویہ آپ سب نے کچھ لوگوں میں محسوس کیا ہوگا کہ اُنہیں دوسروں کو نیچا دکھانے سے مطلب ہوتا ہے، دوسروں کی بے عزتی مقصود ہوتی ہے یہ سرکشی کی چند مثالیں ہیں۔

ازراہِ مذاق سرکشی:

ایک اور سرکشی جس کو شاید معاشرے میں بُرا سمجھا ہی نہیں جاتا وہ عملی مذاق (practical jokes) ہے، یہ بھی دراصل بغی ہی ہے۔ یعنی لطف حاصل کرنے کے نام پر یا لطیفے کے نام پر کسی کو تنگ کرنا، تمسخر اُڑانا، بے وقوف بنانا اور پھر اس سے لطف اندوز ہونا۔ مثلاً کسی بھی نمبر پر فون کر کے کہہ دینا کہ آپکا بچہ حادثہ (accident) کا شکار ہو گیا ہے، ایسے لوگ دوسروں کی تکلیف اور پریشانی سے مزہ لیتے ہیں، یہ ان کے لیے تفریح ہوتی ہے، اپریل فول (april fool) کے نام سے باقاعدہ رسم منائی جاتی ہے جو کہ سراسر سرکشی ہے۔ لوگوں کو بے سروپا کی خبریں اچانک سنا کر بے وقوف بنایا جاتا ہے، جھوٹ بول کر، کسی کو اذیت دے کر بے وقوف بنانا اور لطف اُٹھانا بھی بغی ہے۔ دوسرے کو رُلا کر، تکلیف پہنچا کر خود مسرت حاصل کرنا قطعی طور پر سرکشی ہے۔

ایسے کاموں سے دنیا میں بھی دوسروں کے دلوں میں بغض، غصہ، نفرت اور دشمنی کے جذبات

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمة

پیدا ہوتے ہیں اور یہ عملی مذاق (practical jokes) آخرت کے اعتبار سے بھی نہایت ہی نقصان دہ ہوں گے۔ یہ تمام اعمال جن کا ذکر ہوا یہ کرنے والے بُرے لوگ نہیں ہوتے، بس یہ کچھ عادت سی بن گئی ہوتی ہے کہ بچوں کو رُلا کر یا عملی دہ مذاق (practical jokes) کر کے خوش ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ عام زندگی میں اچھے لوگ تصور ہوتے ہوں، خوش مزاج ہوں، مددگار بھی ہوں لیکن کہیں کہیں وہ غیر ارادی طور پر، غیر محسوس طریقے سے سرکشی پر آمادہ ہو جاتے ہوں۔ ہوسکتا ہے اس کا آغاز غیر شعوری عمر میں ہی ہو گیا ہو اور یہ عادت بڑھتے بڑھتے جوانی کے ساتھ جوان ہو گئی، بہت سنجیدہ (serious) اور تکلیف دہ شکل اختیار کر گئی، بچپن میں سرکشی کی جھلک (bullying) نظر آتی ہے جب اسکول میں بچے اپنے ساتھ والے بچوں کو تنگ (bully) کرتے ہیں، کبھی بستہ چھپا دیا کبھی لنچ بکس (lunch box) چھپا دیا، کبھی کسی بچے کے خلاف دوسروں کو اکٹھا کر لیا۔ اس کو تنہا (isolate) کر دیا اور اس کی پریشانی سے خوش ہو رہے ہیں یا گروہ بنا کر کسی ایک بچے کا مذاق اڑانا شروع کر دیا یہ سراسر سرکشی ہے۔

بعض بچے کسی بلّی یا کتے کے بچے کو لکڑیوں، ڈنڈوں، پتھروں سے مار مار کر بھگاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ جاپان میں بچوں میں آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے اُن میں خودکشی کی شرح کافی حد تک بڑھ گئی ہے۔ اب تو باقاعدہ سات آٹھ سال کے بچے فون پر اپنے ہم عمر بچوں کو قتل کی دھمکیاں بھی دینے لگے ہیں، یہ شغل بن گیا ہے۔ اگر آپ کے اردگرد کوئی ایسے کر رہا ہے یا کوئی اس قسم کے سرکشی کا شکار بن رہا ہے تو اس کو روکنا چاہئے۔ بعض دفعہ گھر کے بڑے بچوں کو مذاق کا نشانہ بناتے ہیں، بلاوجہ ڈانٹتے ہیں یا مارتے ہیں، اتنا تنگ کرتے ہیں کہ وہ عاجز آجاتے ہیں، اگر والدین کو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ گھر کے دیگر افراد بچوں کو سرکشی کا نشانہ بنا رہے ہیں تو اس کو روکنے کی ضرورت ہے یا اگر کسی کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں کسی کو سرکشی کا نشانہ بنا رہا ہوں تو فوراً رُک جانا چاہئے۔

اسلام پسند نہیں کرتا کہ انسان مظلومی کی زندگی گزار دے اور اس کے اندر کسی ردعمل (reaction) میں بغض پیدا ہو جائے۔ لہٰذا اس تصادم (conflict) کو حل (resolve) کرنا ضروری ہے، اس کو حل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾ (الشوریٰ: ۳۹)

''وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کو بغی پہنچتی ہے تو وہ (برابر کا) بدلہ لیتے ہیں۔''

اگر بدلہ نہیں لینگے تو دل میں بغض پالتے رہیں گے اور بغض تو خود بہت بری چیز ہے تو بغض پالنے سے بہتر ہے کہ بدلہ لے لیں اور اسی سورۃ میں آگے یہ بات فرمائی کہ:

﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ: ۴۰)

''جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔''

اصلاح کی کوشش کیلیے تصادم (conflict) ضروری ہے۔ بعض دفعہ جو شخص سرکشی کر رہا ہوتا ہے اس کو خود احساس نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے، ایسے لوگ دوسروں کو ایک تختۂ مشق (punching bag) سمجھتے ہیں اور غیر شعوری طور پر زیادتی کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ایسے شخص کو احساس دلانا چاہیۓ کہ آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ محتاط ہو جائے۔ جب لوگ خاموشی سے سرکشی برداشت کیۓ چلے جاتے ہیں تو ہوسکتا ہے سرکشی کرنے والے کو احساس ہی نہ ہو کہ دوسرے کو تکلیف ہو رہی ہے، ذہنی کوفت میں مبتلا ہے یا پھر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ خاموشی کی وجہ سے اس کی ہمت بڑھتی چلی جائے اور بغی سے بڑھ کر وہ ظلم واستحصال تک پہنچ جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا ہاتھ روک دیا جائے، اگر معاف کرنے سے اصلاح ہوتی ہے تو معاف کر دیں، اگر احساس دلانے سے اصلاح ہوتی ہے تو احساس دلائیں اور اگر بدلہ لینے سے اصلاح ہوتی ہے تو بدلہ لے لیں۔ اب یہ فیصلہ صورتِ حال کو دیکھ کر کیا جائے گا کہ اس وقت کیا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر معاف کرنے سے بہتری نہیں ہو رہی اور سرکشی کرنے والا اپنی سرکشی پر قائم ہے تو پھر احساس (point out) دلانے کی ضرورت ہے۔ اس کو مشورہ (feed back) دیں کہ دیکھیے آپ نے فلاں فلاں موقع پر میرے ساتھ یہ زیادتی کی یہ اچھی بات نہیں ہے، عمومی اطلاق نہ کریں کہ آپ ہمیشہ ہی میرے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، بلکہ جس خاص واقعہ کی طرف اشارہ مقصود ہو اس کو متعین (exaclty quote) کریں کہ کل دوپہر کو آپ نے بلاوجہ میرے بچے کو تھپڑ مارا تھا۔ ہمیں متعین (specific) ہونے کی ضرورت ہے۔

ہوسکتا ہے کہ بغی کرنے والا اُس وقت آپ سے ناراض ہوجائے لیکن انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں محتاط ہوجائیگا، جب وہ تنہائی میں سوچے گا تو اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ اِس بات کو کرنے کیلیے غصہ سے پرہیز نہایت ضروری ہے، آگ کو آگ سے نہیں بجھایا جاتا اگر سرکشی کو ختم کرنا ہے تو بالکل ٹھنڈے لہجے میں اور دھیمی آواز کے ساتھ مختصراً بات پہنچادی جائے، بات کو طول نہ دیا جائے، مبالغہ نہ کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہتری ہوگی۔ مسئلہ یہ ہے جب لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں میں سرکشی کرتے ہیں تو اس کو گناہ نہیں سمجھتے، توبہ بھی نہیں کرتے، ان کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم غلطی کررہے ہیں اس لیے ان کو احساس دلانا چاہیے کہ بغی معمولی گناہ نہیں بلکہ آخرت میں بہت بڑے نقصان کا باعث ہے۔

مطالبات میں سرکشی:

سرکشی کی ایک اور صورت جو کہ بہت عام (common) ہے اور اس کو کہیں سے بھی سرکشی نہیں سمجھا جاتا، وہ بہت زیادہ مطالبات (demands) کرنا ہے۔ یہ بھی زیادتی ہے کہ آپ کسی سے ایسی توقعات لگائے بیٹھے ہیں جن کو پورا کرنا اس کے لئے ممکن نہیں اور زیادہ مطالبات (demands) وہی کرتے ہیں جو بہت اونچی اونچی توقعات (expectations) لگاتے ہیں۔ اس روش سے بھی بچنا چاہئے۔

سرکشی ترک کرنے کے لئے صحیح انسان بننا:

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ اگر تم کو صوفی بننا ہے، عابد، زاہد بننا ہے تو بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں وہاں چلے جاؤ لیکن اگر انسان بننا ہے تو یہاں آجاؤ یعنی ہماری مجلس میں آجاؤ اس لئے کہ یہاں انسان بنایا جاتا ہے۔ مسلمان بننا، عالم بننا، صوفی بننا تو بعد کی بات ہے، اونچے درجے کی بات ہے، پہلے انسان تو بنو، پہلے جانوروں کی صف سے تو نکل آؤ، جانوروں کے اندر سرکشی پائی جاتی ہے، پہلے دوسروں کے اوپر زیادتی کرنے سے تو بچو۔ انسان اس وقت تک انسان نہیں بنتا جب تک اس کو اسلامی معاشرت کے آداب نہ آتے ہوں، لہٰذا پہلے انسان بنو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تین قسم کے جانور

پیدا فرمائے ہیں۔ جانوروں کی ایک قسم وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے، ان سے شاذ و نادر ہی کسی کو نقصان پہنچتا ہے مثلاً گائے بکری وغیرہ یہ ایسے جانور ہیں جو دودھ کے ذریعے ہمیں فائدہ دیتے ہیں اور جب گائے دودھ دینا بند کرتی ہے تو ہم ذبح کر کے اس کا گوشت کھا لیتے ہیں یعنی سراسر فائدہ پہنچتا ہے۔ جانوروں کی دوسری قسم وہ ہے جو صرف تکلیف پہنچاتے ہیں اور اس کا بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا مثلاً سانپ، بچھو، درندے وغیرہ یہ سب موذی جانور ہیں جب بھی انسان کو ملیں گے تکلیف دیں گے، ڈنگ ماریں گے۔ جانوروں کی تیسری قسم وہ ہے جو نہ تکلیف دیتی ہے اور نہ فائدہ ہی پہنچاتی ہے۔ جیسے جنگل میں بسنے والے جانور گیدڑ، لومڑی، بندر وغیرہ۔ ان سے انسان کو نہ کوئی خاص فائدہ ہے اور نہ بہت نقصان ہے۔ جانوروں کی یہ تین قسمیں بیان کرنے کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ''اے انسان! تو اشرف المخلوقات ہے اور سارے حیوانات پر تجھ کو فضیلت دی گئی ہے تو اگر انسان نہیں بنتا بلکہ جانور بننا چاہتا ہے تو کم از کم پہلی قسم کا ہی جانور بن جا جو دوسروں کو صرف فائدہ پہنچاتے ہیں، کوئی نقصان نہیں پہنچاتے جیسے گائے بکری وغیرہ اور اگر تو اس سے بھی نیچے آنا چاہتا ہے تو تیسری قسم کا جانور بن جا جو نہ نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ ہی فائدہ پہنچاتے ہیں اور اگر تو نے دوسروں کو فائدہ کے بجائے نقصان دینا شروع کر دیا تو پھر سانپ، بچھو اور درندوں کی صف میں شامل ہو جائیگا۔

ڈسنے والے لوگ، باتوں کے چبھتے تیر چلانے والے، طنز کے نشتر چبھونے والے یہ سب سرکش ہیں، طعنے دینا بھی سرکشی کی علامت ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بھی حساب لیا جائیگا، یہ دل کا مرض ہے جس کا اظہار باتوں اور حرکتوں کے ذریعے ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ انسان قیامت کا منظر ہر وقت اپنے ذہن میں رکھے کہ جب انسان کو دوسروں کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کی قیمت اپنی نیکیوں کی شکل میں ادا کرنا ہوگی۔

قیامت میں سرکشی کا حساب:

صحیح مسلم میں حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ اِلَى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنْ

الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ))[۱]

’’قیامت کے دن لازماً تمھیں حقوق ادا کرنے ہونگے حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری، سینگ والی بکری سے اپنا بدلہ لے لےگی اگر اس نے دنیا میں اسے سینگ مارا ہوگا۔‘‘

چھوٹے سے چھوٹے ظلم اور زیادتی کے فعل کا بھی حساب ہوگا اور دینے کو صرف نیکیاں ہونگی۔ نوکروں کے ساتھ زیادتی کی جاتی ہے تنخواہ وقت پر نہ دینگے، بلاوجہ ٹالتے رہیں گے یہ بھی ان کے ساتھ زیادتی ہے جب ان کا حق واجب ہوگیا، پہلی تاریخ آ گئی تو معاوضہ دیدیا جائے۔ کسی بزرگ کا واقعہ آتا ہے کہ وہ بہت محتاط رہتے تھے۔ ایک دفعہ کوئی شخص ان سے کچھ مانگنے کے لئے آیا، وہ بہت اہم کام میں مصروف تھے، اس اہم کام کو چھوڑ کر انہوں نے فوراً اس کی حاجت پوری کردی، جو رقم مانگ رہا تھا وہ دے دی تو لوگوں نے کہا اتنی بھی کیا جلدی تھی تو جواب دیا، وہ شخص میرے سامنے عاجز بن کر کھڑا تھا، میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میرا اس بات پر محاسبہ کرلے کہ فلاں شخص تمھارے پاس ضرورۃً آیا تھا تم نے اُسے اتنی دیر کیوں انتظار کروایا! میں روزِ قیامت کے حساب سے بچنا چاہتا ہوں۔ تو سوالی کو اس کا حق جلد سے جلد دے دیا کریں، بلاوجہ منتظر نہ رکھیں، دیر نہ کریں۔ ان چند باتوں کا تعلق بھی سرکشی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس برائی، گناہ کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس سے بچنے کا راستہ بھی دکھا دے آمین!

خلاصہ:

ہر شخص یہ جانچے کہ کہ مجھ میں سرکشی ہے یا نہیں، کیا میں قانون کے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ قانون تو میری سمجھ سے بالاتر ہے، میں اس پر عمل نہیں کروں گا۔ اِس اندازِ گفتگو سے کیا پتہ چلتا ہے؟ یہی کہ ہمارے اندر بھی ایک طرح کی سرکشی ہے۔ آج کل ہر جگہ قانون توڑنے کا رجحان ہے اور قانون توڑنے سے پہلے یہی کہا جاتا ہے کہ یہ قانون ہمیں اچھا نہیں لگتا، حالانکہ کوئی قانون جب تک برقرار ہے اُسے ہر حال میں ماننا ہے۔ اسی طرح سگنل کو توڑ کر فخر محسوس کرنا اور بلاوجہ گاڑی غلط طرف چلانا بھی سرکشی

(۱) مسلم، کتاب البر والصلۃ، تحریم الظلم

ہے، یہ عادت آپ کو اچھے پڑھے لکھے لوگوں میں بھی ملے گی اور ڈرائیوروں میں تو بہت ملے گی، اس سے ان کو بااختیار ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن یہ قانون کی خلاف ورزی کر کے فخر محسوس کرنا بھی سرکشی کی علامت ہے، نوکروں یا ماتحتوں پر غیر ضروری رعب جھاڑنا یا تحکمانہ لہجہ اختیار کرنا بھی سرکشی کی علامت ہے، درشت اور تلخ لہجے میں نوکروں سے بات کرنا بھی مناسب نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص قانون کو غلط سمجھتا ہو اور مطمئن نہ ہونے کے باوجود قانون کی پیروی (follow) کرتا ہو تو یہ سرکشی نہیں۔

چھوٹی چھوٹی باتوں پر شوہر کی مخالفت (oppose) کرنا یا ہر وقت اپنی بات منوانے کی کوشش کرنا یقیناً سرکشی ہے۔ بچوں کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کرنا کہ بچے ہمہ وقت سو فیصد میرے قابو میں رہیں، میرے حکم سے اٹھیں بیٹھیں، کھائیں پئیں یہ زیادتی ہے ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ نوکروں یا ماتحتوں کی ضروریات کو نظر انداز کرنا یا اُن سے غفلت برتنا بھی سرکشی ہے، مذاق اُڑانا، نقلیں اُتارنا سو فیصد سرکشی میں شامل ہے، بعض لوگ بچوں کی نقلیں اُتارنے سے بھی نہیں چُوکتے، بچے شرمندہ (embarrass) ہوتے ہیں، یہ بھی بچوں کے خلاف سراسر سرکشی ہے بچوں کو پڑھاتے وقت یا ہدایات دیتے وقت کڑک لہجے (tone) کے استعمال سے گریز کرنا چاہیئے۔ ہاں اگر تین چار دفعہ کہنے کے باوجود بچہ نہیں مان رہا تو آپ نے کرختگی دکھانی ہی ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ عام بول چال میں یہ طرز اختیار نہیں کرنا چاہیئے، جیسا کہ اٹھو پانی لے کر آؤ! اس کے بجائے پیار سے اور میٹھے انداز سے کہنا چاہیئے۔ برائے مہربانی ذرا پانی لا دو! اور جب کسی کو اس رویے پر ٹوکا جائے تو یہ معذرت پیش کی جاتی ہے کہ ایسا نہ کریں تو بچے سنتے ہی نہیں، یہ غلط بات ہے۔ بچوں کے ساتھ اپنا لہجہ (tone) ہمیشہ دھیمہ رکھیں، نظم وضبط (discipline) کے نام پر دھمکیوں اور ڈانٹ پر آمادہ رہنا، چیخ وپکار کرنا، بات کا آغاز ہی دھمکی سے کرنا کہ ہوم ورک (home work) نہیں کیا تو ٹی وی نہیں دیکھ سکتے۔ بعض دفعہ بچوں کو خوفزدہ کیا جاتا ہے کہ ہماری بات نہیں مانو گے تو بوڑھا بابا لے جائیگا، کتا آجائے گا، تمہیں کھا جائیگا، بچے ڈر کر سہم جاتے ہیں۔ دراصل یہ طرح طرح کی دھمکیاں اور ڈراوے بچوں کی شخصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں، بچوں کو رُلانا، ڈرانا، دھمکانا سرکشی ہے، قطعاً مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح اختیار (authority)

ملنے پر دوسروں کو احساس دلانا کہ تم ہمارے محتاج ہو، سراسر سرکشی ہے۔ والدین کی حکم عدولی کرنا، اُن کا کہنا نہ ماننا، بدتمیزی کرنا، پلٹ کر جواب دینا بھی بغاوت ہے۔ احساس کمتری کے باعث دوسرے کی بات رد کرنا اور ایک (sense of achievement) کا احساس ہونا، کسی سے اختلاف (contradict) کر کے یا بات رد کر کے بڑا کارنامہ انجام دینے کا احساس ہونا، یہ سب سرکشی ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ ماضی کی کوتاہیوں پر انسان نادم، پشیمان اور شرمندہ ہو اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو اور توبہ کرے، قیامت کا منظر سامنے لائے کہ زندگی میں جو دو چار نیکیاں کر پائے ہیں ان سے بھی ہاتھ نہ دھونا پڑ جائے۔ حدیث کا مفہوم یاد رکھیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ ہم میں سے نہیں جو بڑوں کی عزت نہ کرے اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے'' فی الحال ہم یہ نہ سوچیں کہ ہمارے خلاف کون کون بغاوت کر رہا ہے بلکہ یہ سوچیں کہ میں کس کے ساتھ بغاوت کرتا ہوں یا کس کس کے ساتھ اس نامناسب رویے کا اظہار کرتا ہوں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم بغاوت نہ کرتے ہوں۔ گھر میں یا گاڑی میں (AC) ہوتے ہوئے بھی دوسرے گھر والوں کو استعمال نہ کرنے دینا کہ بل (bill) زیادہ آتے ہیں بالکل سرکشی ہے۔ نوکروں کو ان کے حقوق سے محروم کرنا، سسرال والوں سے اچھا سلوک نہ کرنا بغی ہے۔ اپنے لئے کوئی بہانہ (excuse) نہ تراشیں، خود کو معذور (justified) نہ سمجھیں کہ ہم نے تو یہ اس وجہ سے کیا یا اس وجہ سے کیا، اپنے اندر جھانکیے اور اللہ سے ڈریں کہیں وہ کوئی ایسا شخص ہم پر مسلط نہ کر دے جو بغی کرنے والا ہو۔ کسی دانا نے کہا ہے کہ اوپر جاتے وقت لوگوں سے زیادتی مت کرو کیونکہ نیچے آتے وقت ان سے ہی پالا پڑے گا۔ ایک انگریزی کا محاورہ ہے کہ

"Keep your words soft and sweet may be you have to eat them."

ایسا تلخ زہریلا درشت رویہ اختیار نہ کریں کہ کل کوئی آپ سے ایسا ہی سلوک کرے۔

تنظیمِ اسلامی

A-67، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور، 54000

فون: 36316638، 36366638، 36293939 فیکس: 36313131

ای میل: markaz@tanzeem.org www.tanzeem.org

مراکز حلقہ جات

	فون	موبائل	ای میل
مالاکنڈ	0945-601337	0345-9535797	timergara@tanzeem.org
پشاور	091-2262902	0333-9244709	peshawar@tanzeem.org
اسلام آباد	051-2841964	0333-5567111	islamabad@tanzeem.org
راولپنڈی	051-4866055	0333-5382262	rawalpindi@tanzeem.org
مظفر آباد	0992-504869	0300-7879787	muzaffarabad@tanzeem.org
گوجر خان	051-3516574	0321-5564042	gujjarkhan@tanzeem.org
گوجرانوالہ	055-3891695	0300-7446250	gujranwala@tanzeem.org
گلبرگ لاہور	042-35845090	0300-4708607	lahoreeast@tanzeem.org
سمن آباد لاہور	042-37520902	0323-8269336	lahorewest@tanzeem.org
عارف والا	0457-830884	0300-4120723	arifwala@tanzeem.org
فیصل آباد	041-2624290	0321-6676695	faisalabad@tanzeem.org
سرگودھا	048-3713835	0300-9603577	sargodha@tanzeem.org
ملتان	061-6520451	0321-6313031	multan@tanzeem.org
سکھر	071-5631074	0345-5255100	sukkur@tanzeem.org
حیدر آباد	022-2106187	0333-2608043	hyderabad@tanzeem.org
یاسین آباد کراچی	021-34816580	0345-2789591	karachinorth@tanzeem.org
سوسائٹی کراچی	021-34306041	0333-3503446	karachisouth@tanzeem.org
کوئٹہ	081-2842969	0346-8300216	quetta@tanzeem.org